أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

# میرے والد ماجدؒ

## ایک متقی، پرہیزگار اور مثالی انسان

مرتب


مفتی محمد جاوید قاسمی سہارنپوری

سابق معین المدرسین دارالعلوم دیوبند



ناشر

مکتبہ دارالفکر دیوبند

# تفصیلات


نام کتاب: میرے والد ماجدؒ ایک متقی، پرہیز گار اور مثالی انسان

مؤلف : مفتی محمد جاوید قاسمی سہارنپوری

9012740658

اشاعت : ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰۱۷ء

تعداد :

قیمت :

ناشر : مکتبہ دار الفکر دیوبند

# سوانحی خاکہ

| | |
|---|---|
| نام : | مولوی خلیل احمد بن بشیر احمد |
| ولادت : | ۴؍فروری ۱۹۵۶ء |
| وطن: | گاؤں بالو، قصبہ گنگوہ، ضلع سہارنپور (یوپی، انڈیا) |
| ابتدائی تعلیم : | مدرسہ فیض اشرف گاؤں بالو، ضلع سہارنپور (یوپی) |
| ابتدائی فارسی تعلیم : | مدرسہ احمد العلوم خانپور، قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور |
| عربی تعلیم: | جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد، ضلع شاملی (یوپی) |
| امامت وتدریس : | (۱) مدرسہ فیض اشرف گاؤں بالو، ضلع سہارنپور<br>(۲) مسجد قبرستان والی گاؤں بالو<br>(۳) مسجد تالاب والی گاؤں بالو |
| پیرومرشد : | مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ، بعدہ مولانا محمد صفی اللہ خاں صاحب صاحبزادہ وجانشین ومجاز بیعت حضرت مسیح الامت نوراللہ مرقدہ۔ |
| خاص وصف : | تقوی وپرہیز گاری، احکام شرع کی مثالی پابندی، حق گوئی وبیباکی، اصلاح امت کی بے پناہ فکر اور ہمہ وقت اللہ کے ذکر میں مشغولی۔ |
| اولاد : | چار بیٹے (محمد جاوید قاسمی، حافظ محمد امجد، حافظ محمد اسلم، مولوی محمد جنید) اور ایک لڑکی (جنیدہ خاتون) بقید حیات ہیں، اور تین بچوں (محمد اکرم، محمد انیس، رسیلہ خاتون) کا نابالغی کی حالت میں انتقال ہو چکا ہے۔ |
| وفات : | ۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ، مطابق ۲۴؍جنوری 2015ء، بروز سنیچر |
| تدفین : | گاؤں بالو، پوسٹ مہنگی، قصبہ گنگوہ، ضلع سہارنپور (یوپی، انڈیا) |

# فہرست مضامین



☆......☆......☆

# حدیثِ دل

یہ دنیا بھی بڑی عجیب ہے، یہاں رات دن، ہر آن، ہر گھڑی آنے جانے والوں کا سلسلہ لگا رہتا ہے، کوئی آتا ہے تو کوئی جاتا ہے، کوئی آتا ہے تو اس پر مسرت، شادمانی اور خوشی ہوتی ہے، شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور نہ جانے اظہار فرحت وسرور کے کیا کیا طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں، اور جب کوئی یہاں سے جاتا ہے، تو ہر طرف صفِ ماتم بچھ جاتی ہے، ہر سو رنج وغم کا ماحول ہوتا ہے، ہر کسی کا چہرہ مرجھائے ہوئے پھول کی طرح پژمردہ ہوتا ہے، جدھر بھی دیکھئے حزن والم اپنا ڈیرہ جمائے ہوئے نظر آتے ہیں، پھر بعض جانے والے تو وہ ہوتے ہیں کہ جن کو ہفتہ دو ہفتہ، مہینہ دو مہینہ یا زیادہ سے زیادہ سال بھر یاد رکھا جاتا ہے، پھر وہ گوشہ گم نامی میں ایسے غائب ہو جاتے ہیں کہ لگتا ہی نہیں کہ وہ کبھی اس دنیا میں آئے بھی تھے، اور یہاں اپنے شب وروز گذار کر گئے ہیں۔

لیکن اللہ کے کچھ مخصوص بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا نام یہاں سے جانے کے بعد بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے، سالہا سال گذرنے کے بعد بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کل تک وہ ہمارے پاس تھے اور انہیں رخصت ہوئے ابھی کوئی زیادہ وقت نہیں گذرا، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے مقصد تخلیق کو سمجھا، رازِ حیات سے آشنا ہوئے اور پوری زندگی اسی مقصد اصلی کی تلاش وجستجو، اس کی تحصیل اور اس کو پانے کی کوشش میں بسر کی، اپنے انفرادی واجتماعی، قومی وملی، معاشی ومذہبی، سیاسی وسماجی ہر طرح کے امور میں ''ملت بیضاء''، ''سنت نبویہ'' اور ''القرآن'' کو اپنا رہ نما وپیشوا بنا کر عاجزی وانکساری، صدق وصفا، امانت ودیانت، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وپرہیز گاری پاک دامنی وپاک بازی اور خشیت وخوف الٰہی کے ساتھ اپنے شب وروز گذارے، صغائر وکبائر ہر طرح کے گناہوں سے دامن بچاتے ہوئے ''صراطِ مستقیم'' پر گامزن رہے، مصلحت کو شریعت اور بدعت کو سنت پر قربان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گذارنے کو اپنا نصب العین بنایا۔

انہی پاکیزہ نفوس اور پاکباز ہستیوں میں سے ایک میرے والد ماجد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ بھی تھے، گو آپ کا تعلیمی سلسلہ ''عربی پنجم'' تک پہنچ کر رک گیا تھا؛ لیکن آپ کی

خداداد ذہانت، قرآن وسنت کے مسلسل مطالعہ سے گہری مناسبت، حضرت مسیح الامت جلال آبادی نور اللہ مرقدہ کی خصوصی توجہ وعنایت، کتب بینی، ذکر الٰہی، احکام شرعیہ کی مثالی پابندی اور تصوف وسلوک کے اعمال واشغال سے حد درجہ وابستگی کی برکت سے اللہ تعالی نے آپ کے قلب پر ایسے علوم ومعارف کا دروازہ کھول دیا تھا کہ جن تک بہت سے سند یافتہ فضلاء اور فارغ التحصیل علماء کی رسائی بھی نہیں ہو پاتی۔

تقوی و پرہیز گاری، حق گوئی و بے باکی، استغناء و بے نیازی، تواضع و عاجزی، دین سے دور لوگوں کو دین کے قریب لانے کا بے پناہ جذبہ، اخلاص وللّٰہیت، امانت و دیانت اور عبادت و ریاضت آپ کے وہ اوصاف ہیں جو آپ کو دیگر ہم عصروں سے ممتاز کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے خاص طور پر انہی حالاتِ زندگی کو زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو دوسروں کے لیے اپنی اصلاح و درستگی اور موعظت وعبرت کا ذریعہ ثابت ہوں؛ کیوں کہ انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ بعض کاموں کو اپنے لیے مشکل سمجھتا رہتا ہے، اور اسی بناء پر انہیں اپنے عمل میں نہیں لا پاتا؛ لیکن جب وہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے انسان کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھتا یا سنتا ہے تو اس میں ان کاموں کو کرنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ کام جن کو ایک زمانہ تک وہ مشکل اور ناقابل عمل سمجھتا رہا تھا، اس کے لیے آسان اور قابل عمل ہو جاتے ہیں۔

کوشش تو یہی رہی ہے کہ کوئی بھی بات خلاف واقع نہ لکھی جائے؛ لیکن اگر نسیان یا بے توجہی کی وجہ سے کوئی ایسی چیز کتاب میں آ گئی ہو، تو بندہ اس کے لیے اللہ تعالی کے حضور توبہ واستغفار کرتا ہے اور اس کی بارگاہ عالی میں دست بدعا ہے کہ بندہ کی ہر طرح کی خطاولغزشات پر قلم عفو پھیر کر، اس کتاب کو حضرت والد ماجد کے لیے ترقی درجات اور قارئین کے لیے اپنی اصلاح و درستگی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت
کاندھلہ، ضلع شاملی (یوپی)

محمد جاوید قاسمی
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز اتوار

# میرے والد ماجدؒ

# ایک متقی، پرہیزگار اور مثالی انسان

## نام ونسب:

مولوی خلیل احمد بن بشیر احمد بن جامو دین بن مولی بخش (عرف مولّھا) بن بدن۔ آگے کا نسب معلوم نہ ہوسکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ کا تعلق "مسلم گوجر" برادری سے ہے، اور ہمارے دیار میں سادات اور شیوخ کے علاوہ دیگر برادریوں اور خاندانوں میں عموماً سلسلۂ نسب محفوظ رکھنے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا۔

## ولادت:

آپ اپنے آبائی وطن گاؤں بالو میں ۴؍فروری ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوئے۔

## وطن:

آپ کا وطن گاؤں بالو ضلع سہارنپور (یوپی) ہے، گاؤں بالو نانوتہ سے دس کلومیٹر آگے اور گنگوہ سے ساتھ آٹھ کلومیٹر پہلے، دیوبند روڈ پر جانب جنوب میں، تقریباً ساڑھے تین کلومیٹر کے فاصلے پر، ایک متوسط حالت کا ہندو مسلم گوجروں کا گاؤں ہے۔
آپ نے جس گھر میں آنکھ کھولی وہاں خالصۃً دینی ماحول تھا، آپ کے والد جناب بشیر احمد مرحوم پابندِ صوم وصلاۃ ایک باخدا نیک صالح شخص تھے، ناظرہ قرآن کریم اور اچھی خاصی اردو پڑھے ہوئے تھے، حضرت مسیح الامت مولانا جلال آبادی قدس سرہ سے تعلق تھا، جلال آباد کثرت سے آیا کرتے تھے۔ میں نے گاؤں اور اطراف کے متعدد بڑی عمر کے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کو دینی باتیں بتانے اور سنانے کا حد درجہ شوق تھا، جہاں بھی جاتے، آخرت اور موت کی یاد پر مشتمل نظم اور دینی کتب پڑھ کر سناتے تھے۔

## تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم گاؤں ہی کے مدرسہ فیضِ اشرف میں حاصل کی، قاعدہ اور شروع کے دو پارے حافظ رفیق احمد ٹھولوی سے پڑھے، اور باقی قرآن میاں جی شوکت علی ساکن گاٹھیڑویؒ کے پاس پڑھا۔ اور ناظرہ قرآن کریم کے ساتھ، ماسٹر محمد شفیع صاحبؒ ساکن گڑھی دولت کے پاس اردو، اور درجۂ پرائمری تک ہندی اور حساب پڑھا، چوں کہ اُس وقت گاؤں کے مدرسہ میں قرآن کریم حفظ کرانے کا انتظام نہیں تھا، اس لیے آپ قرآن کریم حفظ نہ کر سکے۔

حضرت والد صاحب کو شروع ہی سے علم دین حاصل کرنے کا شوق تھا، آپ اکثر اپنا یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ:

> ''جب میں نے گاؤں میں ناظرہ قرآن، درجۂ پنجم تک اردو، ہندی اور حساب پڑھ لیا، اس وقت میری گیارہ سال کی عمر تھی، تو والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ اگر تم چاہو تو تمہارا چھٹی کلاس میں ''انٹر کالج مہنگی'' میں داخلہ کرا دوں، اور اگر عربی پڑھنا چاہو تو رمضان کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں داخلہ لے لو، میں نے عرض کیا کہ میں تو عربی پڑھوں گا؛ لیکن چوں کہ وہ سال کا درمیان تھا، اُس وقت جلال آباد میں داخلہ نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے والد صاحب نے مجھے فارسی پڑھنے کے لیے مدرسہ احمد العلوم خانپور بھیج دیا، وہاں میں نے دو تین مہینے ابتدائی فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔''

اگلے سال شوال میں آپ نے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کے شعبۂ فارسی میں داخلہ لیا اور مسلسل پانچ سال مفتاح العلوم میں رہ کر عربی پنجم تک تعلیم حاصل کی۔ آپ عربی پنجم کے بعد اپنا تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے، جس کا سبب یہ ہوا کہ اُن دنوں مدرسہ مفتاح العلوم میں ایک طالب علم کے قتل کا حادثہ رونما ہو گیا، حضرت والد صاحب

کی عمر اُس وقت سولہ یا سترہ سال تھی، آپ کے دل پر اس خوفناک حادثہ کا بڑا اثر ہوا، اور اس کی وجہ سے آپ کے دل میں دہشت بیٹھ گئی، جس کی بناء پر اُس کے بعد گھر والوں کی کوششِ بسیار کے باوجود آپ مدرسہ میں نہ جا سکے۔

آپ انہی دنوں کا اپنا یہ وقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ:

''والد صاحب مجھے لے کر مدرسہ میں میرے استاذ مولانا سمیع اللہ صاحب عرف ''چچا میاں'' برادرِ اصغر حضرت مسیح الامتؒ کے پاس آئے، کہ آپ اسے سمجھا دیجئے یہ آگے پڑھنے سے انکار کر رہا ہے، تو حضرت چچا میاں مجھے میرے فارسی کے استاذ حضرت مولانا سید عابد حسین صاحب (جو چھوٹے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے اور حضرت مسیح الامتؒ کے درسی ساتھی تھے اور مجھ پر بہت شفیق تھے) کے پاس لے کر گئے کہ آپ کا یہ شاگرد آگے پڑھنے سے انکار کر رہا ہے، آپ اسے سمجھا دیجئے، تو یہ سن کر حضرت مولانا سید عابد حسین صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''میرا دل یہ کہتا ہے کہ یہ بچہ کچھ نہ کچھ بنے گا''

چناں چہ استاذ محترم کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی، گو آپ آگے تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور ''عالمیت'' کا پورا کورس نہیں کر سکے؛ لیکن مسائل کے استحضار، بے پناہ مطالعہ کے شغف اور تقوی و پرہیز گاری میں آپ کو اللہ تعالی نے بلند مقام عطا فرمایا۔

حضرت والد صاحب کو اللہ تعالی نے نہایت عمدہ ذہن اور قوی حافظہ عطا فرمایا تھا۔

آپ اپنی طالب علمی کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہمارے ساتھی مغرب بعد بھی سبق یاد کرتے تھے اور عشاء کے بعد بھی، میں اللہ کے فضل و کرم سے مغرب بعد پندرہ بیس منٹ سبق یاد کرتا اور گھنٹے میں سب سے پہلے سنا دیا کرتا تھا، اسی وجہ سے میرے استاذ حضرت چچا میاں مجھے ''خرگوش'' سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

عربی اول کے سال ایک مرتبہ ہمارے میزان کے استاذ حضرت بھائی جان نے ایک نشست میں پوری میزان و منشعب سنانے کا حکم دیا، اللہ کے فضل

وکرم سے اپنے تمام ساتھیوں میں، میں نے پوری میزان ومنشعب ایک مجلس میں کھڑے ہوکراس طرح سنادی کہ اول سے آخر تک کوئی غلطی نہیں آئی۔"

حضرت والد صاحب اپنی طالب علمی کا یہ واقعہ بھی اکثر سنایا کرتے تھے کہ:

"ہم چھوٹی جماعت میں تھے اور ہمارے کمرے میں کچھ بڑی جماعت کے طلبہ بھی رہتے تھے، وہ اکثر ہم لوگوں سے مختلف علمی سوالات کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ اُن میں سے ایک نے سارے کمرے کے ساتھیوں کو مخاطب کرکے یہ سوال کیا کہ بتاؤ "قمری کی دم کتری" کونسا صیغہ ہے؟ میں نے غور کیا کہ اس میں اصل صیغہ "قُمْ" ہے، باقی اور سب الجھانے کے لیے اس کے ساتھ لگایا گیا ہے، جب سب خاموش رہے، کوئی بھی اس کا جواب نہ دے سکا، تو میں نے کہا کہ یہ امر کا صیغہ ہے، اس میں اصل "قُمْ" ہے، باقی سب زائد ہے، یہ سن کر سب کمرے کے ساتھی حیران اور دم بخود رہ گئے، کہ بڑی عمر اور بڑی جماعتوں کے طلبہ اس کا جواب نہ دے سکے، اور اس کم عمر چھوٹی جماعت کے طالب علم نے جواب دیدیا۔"

اس واقعہ سے حضرت والد صاحب کی ذہانت اور علم صرف سے گہری مناسبت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت والد فرماتے ہیں:

"اسی طرح ایک مرتبہ اُن لوگوں نے یہ سوال کیا کہ بتاؤ کونسی نماز ایسی ہے جس میں پانچ قاعدے ہوسکتے ہیں، کمرے کے تمام ساتھیوں نے بہت غور کیا؛ مگر کوئی بھی اس کا جواب نہ دے سکا، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب میرے ذہن میں ڈال دیا، میں نے کہا کہ مغرب کی نماز میں پانچ قاعدے ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیسے؟ میں نے کہا کہ ایک آدمی امام کے ساتھ مغرب کی نماز کے قعدۂ اولیٰ میں شریک ہوا، امام کو نماز میں کوئی سہو ہوگیا، جس کی وجہ سے اُس نے قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کیا، امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ آدمی ایک رکعت

پڑھ کر قعدہ کرے گا، کیوں کہ دو رکعتوں پر قاعدہ کرنا واجب ہے، پھر ایک رکعت اور پڑھ کر قاعدۂ اخیرہ کرے گا، اور سلام پھیر کر اپنی نماز پوری کرے گا۔ تو دیکھئے اس آدمی کو پانچ قعدے کرنے پڑے، ایک وہ قعدہ جس میں وہ امام کے ساتھ شریک ہوا تھا، دوسرا قعدہ امام کے ساتھ سجدۂ سہو سے پہلے، تیسرا قعدہ امام کے ساتھ سجدۂ سہو کے بعد، چوتھا قعدہ اپنی دوسری رکعت پوری کرنے کے بعد اور پانچواں قعدۂ اخیرہ اپنی تین رکعت مکمل کرنے کے بعد۔ یہ جواب سن کر سب دنگ رہ گئے۔"

یہ واقعہ جہاں ایک طرف حضرت والد صاحب کی نہایت اعلیٰ درجہ کی ذہانت کی عکاسی کرتا ہے، وہیں دوسری طرف حضرت کے فقہی مزاج اور علم فقہ سے گہری مناسبت کا بھی پتہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب کو ابتدائی طالب علمی کے زمانے ہی میں کیسا عمدہ فقہی اور علمی مزاج عطا فرمایا تھا۔

حضرت والد صاحب کا ذہن کتنا عمدہ اور حافظہ کس قدر قوی تھا، اس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے:

جب بابری مسجد شہید کی گئی اور ہندوستان میں حالات خراب ہو گئے، تو فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنے کا مسئلہ آیا، اُس وقت محلّہ کی مسجد میں ماجری کے ایک حافظ صاحب امام تھے، اور والد صاحب وہیں مدرسہ میں مدرس تھے، حافظ صاحب کہیں سے ایک پرچہ پر قنوتِ نازلہ لکھ کر لائے اور اسے یاد کرنا شروع کیا؛ لیکن وہ کافی کوشش کے بعد بھی عشاء تک اسے یاد نہ کر سکے، انہوں نے اپنی اس پریشانی کا حضرت والد صاحب سے تذکرہ کیا کہ فجر کی نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنی ہے؛ مگر وہ مجھے اب تک یاد نہ ہوسکی، تو آپ اُن سے وہ پرچہ لے کر گھر آئے، اور صبح اٹھ کر نمازِ فجر سے پہلے اُسے دو تین مرتبہ دیکھ کر فجر کی نماز میں بے تکلف پوری قنوتِ نازلہ پڑھ دی، اس پر امام صاحب اور دیگر حضرات کو بڑا تعجب ہوا کہ ہم کئی گھنٹے لگانے کے بعد بھی اسے یاد نہ کر سکے اور آپ نے

اسے دو تین مرتبہ دیکھ کر یاد کر لیا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذہانت اور قوتِ حافظہ سے نوازا تھا۔ ہم نے بار ہا دیکھا کہ آپ کسی چیز کو ایک مرتبہ دیکھ یا پڑھ لیتے تو وہ آپ کو یاد ہو جاتی تھی۔

یہ اعلیٰ درجہ کی ذہانت اور قوتِ حافظہ ہی کی برکت تھی کہ حضرت والد صاحب نے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد سے آنے کے بعد، درمیان میں تقریباً بیس سال تک درسیات کی کوئی کتاب اٹھا کر نہیں دیکھی، اور پھر بندہ کو فارسی کی کتابیں اور چھوٹے بھائیوں کو عربی سوم تک کی کتابیں کافیہ وغیرہ نہایت اچھے انداز سے پڑھائیں؛ بلکہ برادرِ اصغر حافظ محمد امجد سلمہ کو تو ایک ہی سال میں فارسی اور عربی اول کی کتابیں اس انداز سے پڑھائیں کہ اُن کا اگلے سال عربی دوم میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ ہو گیا، اور مزید کمال کی بات یہ ہے کہ حضرت والد صاحب کو درسیات پڑھانے کے لیے شرح دیکھنے کی نوبت بہت کم آتی تھی، شرح مائۃ عامل، آسان منطق اور علم الصیغہ تو آپ نے پڑھی بھی نہیں تھی؛ لیکن ان کتابوں کو پڑھانے میں آپ کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

## آپ کے اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں حافظ رفیق احمد ساکن ٹھولہ ضلع سہارنپور، میاں جی شوکت علی ساکن سانگا ٹھیڑہ ضلع سہارنپور، ماسٹر شفیع احمد گڑھی دولت، مولانا سید عابد حسین صاحب جلال آبادی عرف چھوٹے مولوی صاحب، حضرت جلال آبادی کے چھوٹے بھائی مولانا سمیع اللہ صاحب عرف چچا میاں، مولانا سید واجد حسین صاحب دیوبندی سابق شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات، مولانا محمد یسین صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد، مولانا محمد یامین صاحب جلال آبادی، مولانا صفی اللہ صاحب عرف بھائی جان صاحبزادہ و جانشین حضرت مسیح الامتؒ اور مولانا عقیل

الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت والد صاحب اپنے اساتذہ میں حضرت مولانا سید عابد حسین صاحبؒ کا بہت تذکرہ کیا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے:

''میرے استاذ حضرت چھوٹے مولوی صاحب فارسی کے امام تھے، اُن کی عجیب حالت تھی، وہ گلستاں اور بوستاں وغیرہ، تصوف وسلوک کے معارف میں مستغرق ہوکر خوب مزے لے کر پڑھایا کرتے تھے، اُس وقت اُن پر ایک عجیب جذب کی سی کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی۔ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے، میرے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ بچہ میری مرضی کے مطابق عبارت پڑھتا ہے۔''

حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے:

''اُس زمانہ میں فارسی کی ایک کتاب ''انشائے فارغ'' داخلِ درس تھی، جس کی عبارت بہت مشکل تھی، ہمارے بہت سے ساتھیوں نے اُس کی عبارت پڑھنے کی کوشش کی؛ مگر اس میں نہ چل سکے، اللہ کے فضل وکرم اور حضرت الاستاذ کی برکت سے اُس کی پوری عبارت از اول تا آخر میں نے ہی پڑھی۔''

آپ اپنے استاذ حضرت مولانا سید عابد حسین صاحب کا یہ واقعہ بھی سنایا کرتے تھے:

''ایک مرتبہ ہمارا ایک ساتھی ''رامپوری ٹوپی'' اوڑھ کر درس میں آگیا، حضرت اس ٹوپی کو گاندھی کی ٹوپی کے مشابہ ہونے کی وجہ سے سخت ناپسند فرماتے تھے، حضرت نے اس سے فرمایا کہ یہ تم نے کیا اوڑھ لیا ہے، اس سے بہتر تو کوئی جوتا پھاڑ کر اسے سر پر رکھ لیتے، اُس طالب علم نے ادب کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہہ دیا کہ حضرت جوتا سر پر نہ آتا، حضرت نے تحمل وبرد باری سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ یہاں لے آتے، ہم اُسے کھینچ کر تمہارے سر پر رکھ دیتے، اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ عبارت پڑھو،

اسی طالب علم نے عبارت پڑھنی شروع کر دی، اور غلط عبارت پڑھنے لگا، تو
حضرت کو غصہ آ گیا، آپ نے غصہ میں اُس کے سر پر زور سے طمانچہ مارا،
طمانچہ سر کے بجائے اُس کی ٹوپی پر لگا، اور وہ اُس کے سر سے اتر کر برآمدہ
میں جا کر گری۔"

حضرت والد صاحب یہ واقعہ سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ رامپوری ٹوپی چوں کہ گاندھی کی ٹوپی کے مشابہ ہے، اس لیے میرے استاذ حضرت چھوٹے مولوی صاحب اسے ناپسند فرماتے تھے، اور مجھے بھی یہ ٹوپی پسند نہیں، کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

"من تشبه بقوم فهو منهم" [سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۴۰۳۱]
جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ (قیامت کے روز) انہی میں
سے ہوگا۔

## دادا مرحوم کا سانحۂ ارتحال اور آپ کی ذمہ داری:

حضرت والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حوصلہ کی بلندی، عزم کی پختگی اور حوادث ومصائب کو برداشت کرنے کی غیر معمولی ہمت سے نوازا تھا۔ ابتدائی زندگی میں معاشی تنگی رہی۔ آپ کی کوئی اٹھارہ یا بیس برس کی عمر رہی ہوگی جب آپ کے والد صاحب (ہمارے دادا) کا اچانک انتقال ہوگیا، وہ ساٹھ ستر ہزار کا قرض چھوڑ کر گئے۔ کاشت کی زمین کے علاوہ کوئی اور ذریعۂ آمدنی نہ تھا، اور زمین کی آمدنی بھی بہت محدود تھی، اس سے گھریلو ضروریات ہی مشکل سے پوری ہوتی تھیں، اگرچہ آپ کے چھ بھائی تھے، جن میں سے ایک آپ سے بڑے تھے اور باقی سب چھوٹے، چھوٹے بھائی تو کم عمری کی وجہ سے کمانے پر قادر نہیں تھے، بڑے بھائی سے کچھ سہارا مل سکتا تھا؛ لیکن وہ دادا جان کی حیات ہی میں الگ ہو گئے تھے، اس لیے گھر کی ذمہ داری اور قرض کی ادائیگی کا سارا بوجھ آپ ہی کے سر پڑا۔

اٹھارہ بیس برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؛ لیکن حضرت والد صاحب نے اسی عمر میں پوری سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے، کفایت شعاری اور غیر ضروری اخرجات سے کنارہ کشی اختیار کر کے ایسا انتظام فرمایا کہ دو سال کے عرصہ میں گھریلو ضروریات پوری کرنے کے ساتھ، اسی کاشت کی زمین کی آمد سے نہ صرف یہ کہ سارا قرض اداء کر دیا؛ بلکہ دو ہزار روپئے بچ بھی گئے۔

حضرت والد صاحب اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''اس زمانے میں ہم لوگ سالن کے بغیر سوکھی نمک کی روٹی کھاتے اور پانی پی کر گزارا کرتے تھے، اور ایک سردی تو ایسی گذری کہ میں نے بھائیوں اور دیگر اہل خانہ کے لیے تو لحاف وغیرہ کا انتظام کر دیا؛ لیکن پیسے کی قلت کی وجہ سے اپنے لیے لحاف کا انتظام نہ کر سکا؛ چناں چہ وہ پوری سردی اس حال میں گذری کہ میرے پاس صرف ایک چادر تھی، اسی کو رات کو اوڑھ کر سردی سے بچاؤ کی ناکام کوشش کرتا تھا۔''

## تدریسی خدمات:

ہمارے یہاں گاؤں میں تین مسجدیں ہیں، اور ہر مسجد کے ساتھ مدرسہ بھی قائم ہے، آپ نے تینوں مساجد میں اصول وضوابط کی رعایت اور پورے استغناء کے ساتھ امامت اور تدریس کی خدمت انجام دی، تقریباً ساڑھے تین سال بڑی مسجد اور اس کے ساتھ ملحق مدرسہ فیضِ اشرف میں، دو سال قبرستان والی مسجد میں اور تقریباً دو ڈھائی سال تالاب والی مسجد میں رہے۔ وقت کی پابندی اور احکامِ شرع کی پیروی کے حوالے سے آپ کی امامت مثالی تھی۔ جب تک ہماری والدہ حیات رہیں آپ نے محلّہ سے کبھی نہ کھایا، گھر آ کر کھانا کھاتے تھے، البتہ جس زمانہ میں آپ تالاب والی مسجد میں تشریف لے گئے، اُس وقت چوں کہ ہماری والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا تھا، اور گھر میں کوئی کھانا بنانے والا بھی نہیں تھا، اس لیے اُس زمانے میں مجبوراً محلّہ سے کھانا کھایا؛

لیکن وہاں سے الگ ہونے کے بعد اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''لوگ کسبِ معاش میں حلال وحرام کی تمیز نہیں رکھتے، محلّہ سے آنے والا کھانا عام طور پر مشتبہ ہوتا ہے، مجھے بدرجۂ مجبوری محلّہ سے کھانا کھانا پڑا؛ لیکن اُس کا نقصان یہ ہوا کہ مجھے روحانیت میں کمی محسوس ہونے لگی، اور اب تک بھی وہ بات پیدا نہیں ہو پائی جو اس سے پہلے تھی۔''

## تدریس کے کارآمد اصول:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تدریس کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، ذیل میں آپ کی تدریس کے کچھ اصول لکھے جاتے ہیں:

۱- آپ کے یہاں اس کا پورا اہتمام تھا کہ جب تک طالب علم سبق اور آموختہ صحیح نہ سنادے، ہرگز آگے سبق نہ دیا جائے، جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جس نے آپ کے پاس پڑھ لیا، وہ ہمیشہ اوروں سے ممتاز رہا۔

۲- قرآن کریم کی تعلیم کے سلسلے میں آپ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ''نورانی قاعدہ'' اس انداز سے پڑھایا جائے کہ طالب علم کو حروف کی اچھی شناخت، مخارج کی تصحیح اور ہجے کرنے میں ایسی مہارت ہو جائے کہ پارۂ عم اور باقی قرآن کریم پڑھنے میں کسی قسم کی کوئی دشواری نہ ہو۔

۳- اگر طالب علم سبق میں غلطی کرتا، خواہ قاعدہ کا طالب علم ہوتا یا حفظ وناظرہ کا، فارسی پڑھنے والا ہوتا یا عربی، آپ خود غلطی بتانے کے بجائے طالب علم کو مکلّف کرتے کہ وہ غور کر کے غلطی درست کرے، اور پھر اس پر نشان بھی لگاتے تھے تاکہ آئندہ اس غلطی پر توجہ دی جاسکے۔

۴- قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ آپ کے یہاں اردو، ہندی، دینیات، نقل واملاء اور حساب سکھانے کا پورا اہتمام تھا، جب طالب علم نورانی قاعدہ مکمل کر لیتا، تو

آپ پارۂ عم کے ساتھ اردو زبان کا قاعدہ اور تختی لکھوانا شروع کرادیتے، شروع میں کچی پنسل سے تختی پر نقشے دیتے، تاکہ طالب علم اس پر قلم پھیر کر لکھنے کی مشق کرے، جب طالب علم کسی حد تک حروف بنانے پر قادر ہوجاتا تو نقشے بند کرکے اسے خود حروف تہجی لکھ کرلانے کا مکلّف بناتے اور جو حروف قابل اصلاح ہوتے ان کی اصلاح دیتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسنِ تحریر کے زیور سے آراستہ فرمایا تھا، آپ کی تحریر بہت صاف اور عمدہ تھی، آپ نے اپنے محبوب استاذ حضرت مولانا سید عابد حسین صاحب جلال آبادی سے خوش خطی کی مشق کی تھی، مولانا موصوف ایک اچھے خطاط تھے۔ اردو زبان کا قاعدہ مکمل ہونے کے بعد آپ مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کے ''دینی تعلیم کے بارہ رسالے''، ''بہشتی زیور'' اور ''حیات المسلمین'' وغیرہ پڑھاتے۔ اور شش کلمے، ایمان مفصل و مجمل، مکمل نماز، دعائے قنوت، قنوتِ نازلہ اور مختلف اوقات کی مسنون دعائیں یاد کراتے، اس کے لیے جمعرات کا دن مقرر کیا ہوا تھا، جمعرات کے دن ظہر کے بعد دینیات یاد کراتے اور سنتے تھے۔

جو طلبہ ذہین ہوتے، ان کو آپ اردو کے ساتھ حسب موقع پانچویں تک ہندی اور حساب بھی پڑھایا کرتے تھے، اردو کی طرح ہندی کی بھی نقل اور املاء کراتے اور جو غلطیاں ہوتیں، ان کی اصلاح بھی دیا کرتے تھے، آپ کی ہندی کی تحریر بھی بہت عمدہ تھی، ایک مرتبہ ایک سرکاری ادھکاری نے آپ کی ہندی کی تحریر دیکھی، تو اسے بڑا تعجب ہوا، کبھی آپ کو دیکھتا اور کبھی تحریر کو، اور بڑے تعجب سے پوچھا کہ یہ آپ ہی نے لکھا ہے؟ اس لباس اور اسلامی شکل وصورت کے ساتھ ہندی کی اتنی صاف اور عمدہ تحریر؟

آپ کے اس طریقۂ تعلیم کا نتیجہ تھا کہ طلبہ ناظرہ قرآن کریم مکمل کرنے کے ساتھ اچھی طرح اردو لکھنا پڑھنا جان جاتے تھے، اور حفظ کی تکمیل کے ساتھ ہندی اور حساب سے بھی خوب واقف ہوجاتے تھے۔

خود ہمیں حفظ کی تکمیل تک دینی تعلیم کے بارہ رسالے، بہشتی زیور کے سات حصے،

حضرت تھانوی کی حیات المسلمین اور جزاء الاعمال، حضرت جلال آبادی کی فضیلتِ علم، چوتھی کلاس تک ہندی اور حساب پڑھایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ روزانہ اردو اور ہندی کی ایک نقل اور ایک املاء بھی لازمی کراتے تھے۔

۵- آپ تعلیم کے ساتھ تربیت پر بہت زور دیتے تھے، وقتاً فوقتاً انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے قصے اور اصلاحی باتیں بتا کر یہ کوشش فرماتے کہ پڑھنے کے زمانے ہی سے طلبہ میں عمل کا جذبہ اور اپنے ظاہر و باطن کو سنتِ نبوی کے زیور سے آراستہ کرنے کا شوق پیدا ہو۔ نیز اپنی نگرانی میں طلبہ اور طالبات کو الگ الگ نماز پڑھنا سکھاتے۔

کسی طالب علم کی ہرگز مجال نہ تھی کہ وہ آپ کے درس میں غیر اسلامی لباس پہن کر آجائے، اگر کوئی بچہ کبھی غیر اسلامی لباس میں آجاتا، اُسے سختی کے ساتھ واپس کر دیتے، اس لباس میں اسے ہرگز درس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیتے۔ آپ کے یہاں اس کی بڑی اہمیت کے ساتھ ہدایت کی جاتی تھی کہ کوئی بھی طالب علم اپنا پائجامہ ٹخنے سے نیچے نہ لٹکائے، اور کوئی ایسی ٹوپی یا لباس نہ پہنے جو غیر مسلموں کی ''گاندھی کی ٹوپی'' اور اُن کے لباس کے مشابہ ہو۔

حضرت والد صاحب دینی کتابوں اور تمام آلاتِ علم: درس گاہ، قلم، دوات، تپائی اور کاغذ وغیرہ کا بہت ادب و احترام فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی طالبِ علم قلم دوسرے کی طرف پھینکتا، یا تپائی کے اوپر سے کودتا، یا کتاب کے اوپر قلم دوات یا اور کوئی چیز رکھ دیتا، یا آلاتِ علم کی اس طرح کی کوئی اور بے حرمتی کرتا، تو حضرت والد صاحب کو جلال آجایا کرتا تھا اور اس پر سخت تنبیہ کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''جب تم آلاتِ علم ہی کا احترام نہیں کرو گے تو تمہیں علم کیسے آئے گا، علم تو ادب و احترام سے آتا ہے۔''

آپ کے پاس طالبات بھی پڑھتی تھیں، عورتیں فطری طور پر کجی کی بناء پر جہاں اور بہت سے خلافِ شرع اور خلافِ اولیٰ کام کرتی ہیں، ایک عادت اُن میں عام طور

پر یہ بھی پائی جاتی ہے کہ اپنا دوپٹہ بائیں طرف سے اوڑھتی ہیں، جب کہ سنت یہ ہے کہ لباس پہننے میں دائیں طرف کو مقدم رکھا جائے، حضرت والد صاحب اگر کسی طالبہ کو بائیں طرف سے دوپٹہ اوڑھے دیکھتے، تو اس پر تنبیہ فرماتے اور اس کا مکلّف کرتے کہ دیگر لباس کی طرح دوپٹہ اوڑھنے میں بھی دائیں طرف کا خیال رکھا جائے۔

٦- آپ طالبات کو قرآن کریم حفظ کرانے کے قائل نہیں تھے؛ کیوں کہ حفظ کرنا کرانا تو کسی قدر آسان ہے؛ مگر اس کو یاد رکھنا مشکل کام ہے، بالخصوص عورتوں کے لیے؛ کیوں کہ مرد اولاً تو خود مختار ہوتے ہیں، وہ جس وقت چاہیں قرآن کریم کی تلاوت کرسکتے ہیں، اور ثانیاً ہر سال رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن کریم سنا لیتے ہیں جس سے اس کو یاد رکھنا کافی حد تک آسان ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف عورتوں کے مزاج میں فطری طور پر سستی بھی زیادہ ہوتی ہے، اور شادی ہو جانے کے بعد وہ دوسرے گھر کی ہو جاتی ہیں، وہاں ان کو سسرال والوں کے تابع ہو کر رہنا پڑتا ہے، نیز عورتوں کی امامت چوں کہ مکروہ تحریمی ہے اس لیے وہ امام بن کر تراویح میں دوسروں کو قرآن کریم سنا بھی نہیں سکتیں، الغرض اس طرح کی بہت سی وجوہات ہیں جن کی بناء پر عورتوں کے لیے قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد اسے یاد رکھنا دشوار ہے اور بھولنے کے امکانات زیادہ ہیں، جب کہ قرآن کریم کو یاد کر کے اسے بھلا دینے پر احادیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

”مَا مِنْ امْرَیءٍ یقرأُ القرآنَ ثُمَّ ینساهُ؛ إلَّا لَقِیَ اللهَ یومَ القیامةِ أجْذَمَ.“ [سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ١٤٧٤، مسند احمد، حدیث نمبر ٢٢٤٥٦، ط: الرسالۃ]

”جو شخص قرآن کریم پڑھے اور پھر اسے بھول جائے، تو وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے کوڑھی ہونے کی حالت میں ملے گا۔“

٧- آپ اس کی بھی پوری کوشش فرماتے تھے کہ طلبہ کے قیمتی اوقات کا کوئی حصہ

ضائع اور فضول کاموں میں صرف نہ ہو، اور تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ علم کے زیور سے آراستہ ہوں۔ چناں چہ جب بندہ کا حفظ مکمل ہوگیا، اور قرآن یاد کرنے کا وقت آیا، تو آپ نے قرآن کریم یاد کرانے کے ساتھ بندے کی فارسی بھی شروع کرادی، اور اس طرح ایک ہی سال میں قرآن کریم بھی اچھا یاد کرادیا اور فارسی کی بنیادی کتابیں: تیسیر المبتدی، حمد باری، کریما، پند نامہ اور رہبر فارسی بھی اس انداز سے پڑھادیں کہ جب رمضان کے بعد بندے نے عربی اول کے لیے "مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون" میں فارسی کی کتابوں کا امتحان دیا، تو ممتحن صاحب نے ایک ایسی کتاب کا امتحان لیا جو بندے نے پڑھی نہیں تھی، لیکن یہ حضرت والد صاحبؒ کی توجہ اور آپ کے نہایت کامیاب اور مفید طریقۂ تدریس کی برکت تھی کہ ممتحن صاحب نے بندے کے جوابات سے متاثر ہوکر یہ پوچھا کہ تم نے فارسی کس کے پاس پڑھی؟ میں نے عرض کیا کہ: اپنے والد صاحب کے پاس، یہ سن کر وہ بے ساختہ بولے کہ آپ کے والد صاحب نے فارسی میں بڑی اچھی محنت کرارکھی ہے۔ بندے کے پاس جو فارسی کا ذخیرہ ہے وہ انہی پانچوں کتابوں کی برکت ہے جو بندے نے حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ سے پڑھی تھیں۔

۸- آپ نے گاؤں ہی میں رہتے ہوئے تیسیر المبتدی، حمد باری، کریما، پند نامہ، رہبر فارسی، مالا بد منہ، نحو میر، میزان ومنشعب، شرح مائۃ عامل، پنج گنج، القراءۃ الواضحہ حصہ اول و دوم، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، نور الایضاح، قدوری، آسان منطق، مرقات اور کافیہ نہایت کامیابی کے ساتھ پڑھائیں۔ درسیات میں آپ رٹنے پر زور نہیں دیتے تھے؛ بلکہ طالب علم کو اس بات کا پابند بناتے تھے کہ وہ اپنی ساری توجہ کتاب کے مضامین کو سمجھنے پر مرکوز رکھے۔ آپ کے طریقۂ تدریس کی افادیت اور کامیابی کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے بندے کے منجھلے بھائی حافظ محمد امجد کو ایک سال میں فارسی اور عربی اول کی تمام اہم کتابیں پڑھائیں، اور رمضان کے بعد اُن کا

دارالعلوم دیوبند میں عربی دوم میں آسانی سے داخلہ ہوگیا۔

۹- آپ پڑھانے کے ساتھ طلبہ پر توجہ بھی ڈالتے تھے، جس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ طلبہ میں علم حاصل کرنے کے ساتھ، عمل کا شوق اور اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں کی آلائش اور گندگی سے پاک کرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔ چناں چہ بعض طلبہ پر تو آپ کی توجہ اور صحبت کا یہاں تک اثر ہوا کہ وہ تھوڑی سی عمر میں تہجد گذار ہو گئے اور آپ کی طرح اُن بازاری چیزوں سے جن کی بیع عام طور پر خلافِ شرع ہوتی ہے، احتیاط کرنے لگے۔

۱۰- آپ اس کے سخت مخالف تھے کہ بچوں کو دینی تعلیم دلائے بغیر، شروع ہی میں عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکول یا کالج میں داخل کر دیا جائے۔ آپ اس سلسلے میں اپنے شیخ حضرت مسیح الامت مولانا محمد مسیح اللہ صاحب جلال آبادی نور اللہ مرقدہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''جس نے اپنے بچے کو عصری تعلیم کے لیے اسکول میں داخل کر دیا تو یہ سمجھ لو کہ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دین سے باہر نکال دیا''۔

## آپ کے شاگرد:

مولانا شرافت علی بالوی سابق استاذ حدیث مدرسہ نور محمدیہ جھنجھانہ، حافظ سلیم احمد سہارنپوری، حافظ محمد سالک بالوی، حافظ محمد ندیم بالوی، بندہ محمد جاوید قاسمی اور بندے کے تینوں چھوٹے بھائی: حافظ محمد امجد، حافظ محمد اسلم، مولوی محمد جنید خاص طور پر ذکر کے مستحق ہیں۔

مولانا شرافت صاحب نے آپ سے تیسیر المبتدی کا کچھ حصہ پڑھا، حافظ سلیم نے آپ کے پاس ناظرہ و حفظ قرآن کریم، دینی تعلیم کے بارے رسالے، چوتھی کلاس تک ہندی اور حساب پڑھا، حافظ سالک اور حافظ ندیم نے آپ سے حفظ قرآن کریم اور اردو دینیات کی تعلیم حاصل کی، بندہ نے قاعدے سے فارسی تک سب کچھ آپ سے پڑھا، حافظ محمد امجد نے قاعدے سے عربی اول تک، اور مولوی محمد جنید نے

قاعدے سے عربی سوم تک سب کچھ آپ ہی سے پڑھا، حافظ محمد اسلم نے آپ سے قاعدے سے ناظرہ قرآن کریم تک، نیز کچھ پارے حفظ اور اردو و دینیات کی تعلیم حاصل کی۔

اور گاؤں کی طالبات کی ایک بڑی تعداد ہے جنھوں نے آپ سے ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور بہشتی زیور پڑھا۔

## بیعت وارادت:

علوم اسلامیہ کی تحصیل کے ساتھ، ظاہر و باطن کی اصلاح نہایت ضروری چیز ہے، قرآنی ہدایات اور اسلامی تعلیمات پر کما حقہ عمل، عموماً اسی وقت ہوتا ہے جب کہ کسی صاحب نسبت شیخ کامل کے دست حق پرست پر بیعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرائی جائے۔ آپ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے، اس لیے علوم ظاہری کی تحصیل کے دوران ہی آپ کو اس کی لگن تھی اور اسی وقت اپنی اصلاح و تربیت کے لیے آپ نے ذہنی طور پر حضرت مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب جلال آبادی نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکات کا انتخاب کر لیا تھا۔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت استادی مولانا سید عابد حسین صاحب ''نیناونتی'' کا قصہ بیان فرمایا کرتے تھے اور شہزادے کی محبت کو سالک کی محبت سے تشبیہ دیا کرتے تھے، بندے نے بھی بوستاں پڑھتے ہوئے یہ قصہ سنا تھا، جبھی سے یہ لگن لگی تھی، اور سوچتا تھا کہ حضرت والا سے اچھا کوئی شیخ کامل میرے لیے نہیں ہوسکتا۔''

لیکن اس وقت عمر بھی کوئی زیادہ نہ تھی، طالب علمی کا زمانہ تھا، حضرات مشائخ اُس زمانے میں تحصیل علم کے دوران طلبہ کو بیعت نہیں کرتے تھے، تاکہ یکسوئی اور پوری توجہ و محنت کے ساتھ علم حاصل کیا جاسکے، اس لیے اس زمانے میں آپ اپنے اس ارادے اور قلبی تقاضے پر عمل نہ کر سکے، پھر عربی پنجم کے بعد جب آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا

اور گاؤں میں آکر گھریلو امور: کھیتی باڑی میں لگ گئے، اور علمی و روحانی ماحول کے بجائے خالصۃً دنیوی ماحول میں، عبادات اور امور دینیہ سے دور غیر تعلیم یافتہ حضرات کی صحبت ملی، تو مدرسہ کی زندگی میں رہ کر جو دینی اور اسلامی ذہن بنا تھا، آہستہ آہستہ اس میں تبدیلی ہوتی چلی گئی، اور صحبتِ بد کا یہاں تک اثر ہوا کہ نماز جیسی اہم عبادت بھی چھوٹنے لگی، اور تقریباً سترہ اٹھارہ سال اسی دین اور اسلامی امور سے دوری میں گذرے، اپنے ایک خط میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نفس اور شیطان نے جال میں ایسا پھنسایا کہ مدرسہ سے ہی نکال لیا اور ایسے راستے پر لگا دیا کہ جو کھلا گمراہی کی طرف جا رہا تھا۔''

لیکن پھر نصرتِ خداوندی نے آپ کی یاوری کی، ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء میں اس بد دینی اور گمراہی میں ڈوبی زندگی سے توبہ اور اصلاحِ باطن کے لیے مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اسی خط میں آگے لکھتے ہیں:

''حق تعالیٰ شانہ نے دستگیری فرمائی اور دوبارہ پھر آپ کے دربارِ عالیہ تک پہنچا دیا، یہ حق تعالیٰ کا بہت ہی بڑا انعام ہوا، اب (۱۴۱۱ھ) سے تقریباً چار سال پہلے جب دوبارہ میں آپ کے دربار میں پہنچا، تو اس وقت یہ حالت تھی، سوچتا تھا کہ خلیل تو اتنا بڑا گنہ گار ہے کہ معافی کے قابل ہی نہیں، کبھی سوچتا تھا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر دے، پھر سوچتا کہ یہ تو خودکشی ہے اور بحمد اللہ آپ کی برکتوں سے تسلی ہوگئی اور ایسا لگتا ہے کہ اب میں وہ پہلے والا خلیل احمد نہیں ہوں۔''

حضرت مسیح الامت جلال آبادی سے بیعت وارادت کا تعلق قائم ہوتے ہی زندگی میں ایسا صالح انقلاب آیا کہ ہر طرح کی بدعملی سے کنارہ کشی اختیار کر کے، خالص دینی و اسلامی رنگ میں رنگ گئے، ہر عمل شریعت وسنت کے مطابق ہو گیا، حکمِ خدا اور تعلیماتِ شیخ کے آگے اپنی ساری خواہشات، امنگوں اور چاہتوں کو قربان کر دیا، ہر مہینہ اپنے پیرو

مرشد کی خدمت میں خط لکھ کر اور گاہ بگاہ مجلس میں حاضر ہو کر اپنے ایک ایک حال کی اطلاع دیتے اور شیخ جو حکم دیتے اور روحانی امراض کا جو علاج تجویز فرماتے، اس کو حرزِ جان بنا لیتے، کسی بھی قیمت پر اس کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرنا تو دور کی بات، اس کا تصور بھی آپ کے حاشیۂ خیال میں نہ آتا۔ اسی کی برکت تھی کہ آپ کی زندگی میں ہر کام میں اتباع سنت وشریعت، منکرات ومعاصی سے نفرت اور تقوی و پرہیز گاری ایسی رچ بس گئی کہ آپ کے شب وروز کے معمولات دیکھ کر اکابر علماء اور سلف صالحین کی یاد تازہ ہوتی تھی، آپ کی زندگی سنت وشریعت اور تقوی و پرہیز گاری سے ایسی معمور تھی کہ اس پرفتن اور پرآشوب دور میں اس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔

۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۲ء تک تقریباً پانچ سال آپ کا حضرت جلال آبادی سے بیعت و ارادت اور اصلاحِ قلب و باطن کا تعلق رہا، ۱۹۹۲ء میں جب حضرت جلال آبادی سفر آخرت پر روانہ ہو گئے، تو آپ نے حضرت جلال آبادی کے صاحبزادے و جانشین حضرت مولانا صفی اللہ صاحب (عرف بھائی جان) نور اللہ مرقدہ کی طرف رجوع کیا، برابر ان کی مجالس میں شرکت کرتے اور اپنے دینی و دنیوی معاملات میں اُن سے ہدایت ومشورے لیتے رہے، حضرت بھائی جان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہ العالی خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری قدس سرہ سے اصلاحی تعلق کے حوالے سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا؛ مگر ایک خواب کی وجہ سے اس ارادے پر عمل نہ کر سکے۔ چناں چہ فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''حضرت مولانا صفی اللہ صاحب عرف بھائی جان رحمہ اللہ (صاحبزادہ وجانشین حضرت مسیح الامتؒ) کے انتقال کے بعد، میں نے حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا، تو رات کو میرے حضرت جلال آبادی خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ: تمہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنا یہ ارادہ ترک کر دیا۔''

حضرت جلال آبادی نور اللہ مرقدہ کی طرف سے آپ کو دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنے اور دین کی باتیں بتانے کی اجازت حاصل تھی، جس کو حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں ''مجاز صحبت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی آپ جس مجلس میں بھی بیٹھتے، خواہ سامعین کی تعداد کم ہوتی یا زیادہ، وہاں دین کی باتیں بتانا، مامورات کی ترغیب اور منہیات سے اجتناب کی دعوت دینا اپنا فریضہ سمجھتے تھے، اور جس دینی امر کے سلسلے میں کوتاہی دیکھتے اسی کے متعلق بات کرتے تھے، اس سلسلے میں کسی کی بے جا رعایت یا ایسی مصلحت پسندی کو ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے کہ جس سے کسی حکم شرعی کی مخالفت یا تخفیف کی صورت حال پیدا ہو، آپ کا حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ کے اس اصول پر عمل تھا کہ ''شریعت مصلحت پر مقدم ہے۔'' اس لیے حکم شرعی کے سامنے کسی بھی طرح کی مصلحت کو آپ خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

آپؒ خود بیان فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''ایک مرتبہ میں نے خواب میں اپنے حضرت مولانا جلال آبادی رحمہ اللہ کو دیکھا، حضرت نے فرمایا کہ مجھے ٹانگوں میں کچھ درد محسوس ہو رہا ہے، میں نے اجازت لے کر دبانا شروع کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ ارے تمہارے دبانے سے تو ساری تکلیف جاتی رہی۔''

حضرت والد صاحبؒ یہ خواب سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ:

> ''اس خواب کی تعبیر میرے ذہن میں یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری ذات سے دوسروں کو دینی نفع حاصل ہوگا۔''

جن حضرات کو حضرت والد صاحبؒ کی زیارت اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا ہے وہ اس کی پوری تصدیق کریں گے کہ آپ کی ذات سے لوگوں کو خوب دینی نفع پہنچا، کتنے ہی ڈاڑھی منڈانے والے، غیر اسلامی لباس پہننے والے، نماز روزہ اور اسلامی تعلیمات سے غافل، معاملات کی صفائی، آدابِ معاشرت اور اسلامی اخلاق سے دور

حضرات نے آپ کی مجلس میں بیٹھنے کی برکت سے گناہوں سے توبہ کی اور اپنی زندگی شریعت کے احکام کے موافق گذارنے لگے۔

بندے نے خوب دیکھا کہ جو شخص بھی آپ کی مجالس میں آنے لگا، اس پر دینی رنگ چڑھتا چلا گیا۔

## تقوی و پرہیز گاری:

۱- بازار کا آم، قُلم اور بیر وغیرہ کبھی نہیں کھاتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ: عام طور سے باغات کو پھل آنے سے پہلے ہی بیچ دیا جاتا ہے، جب کہ یہ شرعاً ناجائز ہے۔

خود بندہ رمضان میں بازار سے آم لایا، آپ کے پاس بھی بھجوائے، آپ نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ یہ بازار کے آم ہیں، کچھ پتہ نہیں جس باغ سے یہ لائے گئے ہیں، اُس کی بیع شریعت کے حکم کے مطابق ہوئی ہے یا خلافِ شرع۔

آپ گاؤں ہی میں ''تالاب والی مسجد'' میں امامت کرتے تھے، حاجی محمد اقبال کے یہاں سے کچھ آم آئے، آپ اُس وقت کمرہ میں نہیں تھے، جب کمرہ میں آئے تو بتایا گیا کہ حاجی اقبال کے یہاں سے آم آئے ہیں، فرمایا ابھی انھیں رکھے رہنے دو، کچھ پتہ نہیں بازار کے ہیں یا اُن کے گھر کے باغ کے، جب عشاء میں حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی، تو اُن سے معلوم کیا کہ آپ نے جو آم بھجوائے ہیں، وہ بازار کے ہیں یا گھر کے باغ کے؟ انھوں نے بتایا کہ وہ بازار کے نہیں؛ بلکہ گھر کے باغ کے ہیں، تب آپ نے وہ آم کھائے۔ اللہ رے تقوی کی انتہاء۔

۲- بھائی مبین ڈیلر کے یہاں کسی کام سے گئے، انھوں نے چائے بنوادی، جب چائے آئی، تو فرمایا کہ چائے میں چینی بازار کی ڈالی ہے یا کوٹے کی؟ (عام طور سے ڈیلر حضرات احتیاط نہیں کرتے وہ چینی اور تیل وغیرہ مستحقین میں تقسیم کرنے کے بجائے، اپنے گھر استعمال کرتے رہتے ہیں، اس لیے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے

ان سے یہ معلوم کیا)، انھوں نے کہا کہ یہ تو معلوم نہیں، آپ نے فرمایا کہ گھر معلوم کراؤ، معلوم کرنے پر گھر سے جواب آیا کہ چائے میں چینی کوٹے کی نہیں؛ بلکہ بازار کی ڈالی گئی ہے، جب آپ کو اطمینان ہوگیا تب چائے پی۔

۳- گاؤں مہنگی کا ایک غیر مسلم بنیا بیان کرتا ہے کہ آپ نے میرے یہاں سے کچھ دال خریدی، کھلے تین روپے کی ضرورت تھی، آپ کے پاس اس وقت نہیں تھے، میں نے کہا کہ بعد میں آجائیں گے، تو کہنے لگے کہ بعد کا کچھ پتہ نہیں زندہ رہیں یا نہ رہیں، ملاقات ہو یا نہ ہو، ابھی اس میں سے تین روپے کی دال کم کردو، وہ کہتا ہے کہ میں نے بہت کہا کہ اس کی ضرورت نہیں؛ لیکن آپ نہیں مانے، اور اصرار کرکے اس میں سے تین روپے کی دال کم کرائی۔ وہ غیر مسلم بنیا آپ کے اس عمل کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔

۴- حضرت والد صاحب کا اگر کسی مدرسے میں جانا ہوتا، اور مدرسے کے ذمہ دار چائے ناشتے کا تقاضا کرتے، تو حکمت کے ساتھ ٹال دیا کرتے تھے، اور بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ ذمہ دار حضرات اکثر مدرسے کی رقم سے مہمانوں کو کھلاتے ہیں، جب کہ ہم مدرسے کے مہمان نہیں؛ بلکہ خود ان کے مہمان ہیں، ہمارے لیے مدرسے کی رقم سے کھانا جائز نہیں۔

۵- دعوت قبول کرنا سنت ہے، لیکن آج حلال حرام کی تمیز اٹھ چکی ہے، ہر آدمی کو مال جمع کرنے کی فکر ہے، مگر اس کی قطعاً پروا نہیں کہ مال حلال طریقے سے آرہا ہے یا حرام طریقے سے، اکثر وبیش تر حضرات کسی نہ کسی طرح سود کے شکار ہیں، اس لیے حضرت والد صاحب دعوت بہت کم قبول فرماتے تھے، جب تک یہ تحقیق نہ ہو جاتی کہ دعوت کرنے والے کی کمائی حلال ہے، اور وہ حلال کمائی ہی میں سے دعوت کا انتظام کررہا ہے، اس وقت تک دعوت قبول نہیں کرتے تھے۔

فساق وفجار کی دعوت قبول کرنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، چناں چہ ایک حدیث میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"نهى رسول الله ﷺ عن إجابة طعام الفاسقين"

[شعب الایمان بیہقی، حدیث ۵۴۲۰، معجم کبیر طبرانی ۱۸/۱۶۸، ط: قاہرہ]

"رسول اللہ ﷺ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

اس لیے حضرت والد صاحب کسی فاسق کی دعوت بھی ہرگز قبول نہیں فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ کسی سیاسی آدمی پردھان وغیرہ کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے تھے۔

۶- حضرت والد صاحب سود سے بہت بچتے تھے، شروع میں "کھاد سوسائٹی" کے ممبر بن گئے تھے، لیکن پھر بہت جلدی اس سے دست برداری اختیار کرلی تھی، کبھی بھی سوسائٹی سے ادھار کھاد نہیں خریدتے تھے، بلکہ نقد خرید کر فصل میں کھاد ڈالتے تھے، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس طرف خاص طور پر توجہ دلاتے تھے کہ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں، اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

"گنا میل" کا ممبر ہونے کی وجہ سے آپ نے بینک میں کھاتہ کھلوایا تھا، کیوں کہ میل بینک کے ذریعہ ہی گنے کا پیمنٹ کرتا ہے؛ مگر جیسے ہی کھاتے میں رقم آتی تھی، فوراً نکال لیتے تھے، وہاں نہ اُس رقم کو چھوڑتے تھے اور نہ اپنی دوسری رقم جمع کرتے تھے، کیوں کہ بینک میں جو رقم جمع ہوتی ہے، بینک اُس پر سود دیتا ہے، آپ کو یہ ہرگز گوارا نہیں تھا کہ آپ کے پاس کسی طرح سے سودی رقم آئے۔

کافی دن پہلے کی بات ہے گاؤں میں سرکاری طور پر زمین کے پٹے ہورہے تھے، ہمارے کئی چچاؤں نے سودی قرض لے کر رقم مہیا کی اور چھ چھ بیگھہ کے پٹے کرائے، حضرت والد صاحب سے بھی کہا گیا کہ آپ مطلوبہ رقم مہیا کرکے اپنا پٹہ کرالیں، دیگر لوگوں کی طرح آپ کو بھی چھ بیگھہ زمین مل جائے گی، والد صاحب نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس اتنی رقم کا انتظام نہیں، سود پر قرض مل سکتا ہے؛ لیکن سودی قرض لینا حرام ہے، جس چیز کی بنیاد سودی قرض پر ہو، مجھے اُس کی ضرورت نہیں، چناں چہ والد صاحب نے پٹہ کرانے سے قطعی انکار کردیا۔

۷- جس زمانہ میں آپ گاؤں کی بڑی مسجد میں امامت کرتے تھے، اُس وقت مسجد میں حمام میں پانی بھرنے کے لیے بجلی کی موٹر کا انتظام کیا گیا، لیکن جو موٹر لایا گیا وہ کنکشن میں منظور لائٹ سے زیادہ لائٹ لیتا تھا، والد صاحب نے ذمہ دار حضرات کو مسئلہ بتایا کہ جتنی لائٹ کا کنکشن منظور کرایا گیا ہے، اُس سے زیادہ لائٹ استعمال کرنا چوری میں داخل اور شرعاً ناجائز ہے، ذمہ دار حضرات نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی، تو اُس دن سے آپ نے مسجد میں وضو کرنا چھوڑ دیا، ہمیشہ گھر سے وضو کر کے مسجد جاتے تھے، آخر زندگی تک یہی معمول رہا۔

۸- ہمارے مکان کے چاروں طرف پڑوسیوں کے یہاں لائٹ تھی، سب بلا کنکشن لائٹ استعمال کرتے تھے، لیکن حضرت والد صاحب نے جب تک کنکشن نہیں لے لیا، گھر میں لائٹ استعمال نہیں کی۔ اپنی مجالس میں اس پر شدید نکیر فرماتے تھے، کہ جس طرح عام رعایا کی چوری حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح سرکاری مال کی چوری بھی حرام اور ناجائز ہے۔

۹- ہمارے ایک چچا نے اپنا یہ واقعہ بندے سے بیان کیا کہ مولوی صاحب (حضرت والد صاحب) کبھی کسی ضرورت سے ہمارے یہاں تشریف لاتے، تو میں کھانے یا چائے پیش کرتا، اولاً اپنی عادت کے موافق انکار فرماتے، جب میں زیادہ اصرار کرتا، تو کچھ کھا لیتے، میں اُس وقت ڈاڑھی نہیں رکھتا تھا، مولوی صاحب نے ایک صاحب کے ذریعہ مجھ سے کہلا بھیجا کہ اگر ڈاڑھی رکھ لو، تو آئندہ آپ کے یہاں کچھ کھاؤں گا، اور اگر ڈاڑھی نہیں رکھتے، تو مجھ سے اپنے یہاں کچھ کھانے کی امید نہ رکھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہی میں نے ڈاڑھی رکھی ہے۔

## حق گوئی اور صدق گفتاری:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا

کہ آپ کے سامنے کوئی کام خلافِ شرع کام ہو اور آپ خاموش رہیں، ایسے موقع پر فوراً اُس منکر پر نکیر فرماتے تھے، اور سختی سے اُس کام سے روکتے تھے، خواہ وہ کام کرنے والا دنیوی لحاظ سے کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہو، اس میں کسی کی ملامت کی ہرگز پروانہیں فرماتے تھے۔

اگر آپ کے پاس کوئی آ کر بیٹھتا، تو بڑی حکمت کے ساتھ باتوں کا رخ دین کی طرف لے جاتے اور پاس بیٹھنے والوں کو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی اہمیت سمجھانا شروع فرما دیتے، اور یہ سلسلہ دیر تک چلتا رہتا، گاؤں میں ایسے بہت سے افراد ہیں جن کی زندگی گناہوں میں ڈوبی ہوئی تھی، لیکن آپ کے پاس بیٹھنے اور آپ کے سمجھانے کی برکت سے انھیں توبہ کی توفیق ہوگئی، انھوں نے اپنی وضع قطع شریعت کے مطابق کر کے گناہ چھوڑ دیئے، طاعات کا اہتمام شروع کر دیا، اور آج وہ ماشاء اللہ اچھے دین دار ہو گئے ہیں۔

حضرت والد صاحب کو اس کا بڑا اہتمام تھا کہ صرف نماز روزے ہی کا نام دین نہیں؛ بلکہ نماز روزے کے ساتھ معاملات، اخلاق اور معاشرت کی درستگی بھی دین کا اہم حصہ ہے۔ آپ اس پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ اپنے تمام معاملات شریعت کے مطابق کیے جائیں، اپنے اخلاق کو سنوار کر اخلاقِ نبوی کے موافق کیا جائے اور اپنی پوری معاشرت کو اسلامی نہج پر لایا جائے۔ آپ خود بھی اس کا پورا اہتمام فرماتے تھے اور اپنے متعلقین اور اقرباء کو بھی اسی حالت پر دیکھنا چاہتے تھے۔

حق گوئی اور صدق گفتاری آپ کا خصوصی وصف تھا، ان دونوں چیزوں میں دور دور تک آپ کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ آپ کی حق گوئی کے اپنے تو قائل تھے ہی، بستی کے غیر مسلم بھی آپ سے زیادہ حق گو پوری بستی میں کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رات کو کسی نے گاؤں کے مندر کی ریڈیو اتار کر ایک قریبی تالاب میں دفن کر دی، جب صبح ہوئی تو بستی کے غیر مسلموں نے اس کو تلاش کر کے

تالاب سے نکال لیا، اور پنچایت بلا کر سب کے سامنے یہ الزام لگایا کہ یہ کام گاؤں کے مسلمانوں نے کیا ہے، مسلمانوں نے اس سے انکار کیا؛ مگر وہ نہیں مانے، آخر میں پنچایت میں موجود تمام غیر مسلموں نے متفق ہو کر کہا کہ آپ لوگوں میں مولوی خلیل احمد ایک ایسے آدمی ہیں جو ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور حق بات کہتے ہیں، انھیں بلالو، اگر وہ کہہ دیں کہ مسلمانوں نے یہ کام نہیں کیا، تو ہم سب اس کو تسلیم کرلیں گے۔ جب والد صاحب سے معلوم کیا گیا، تو آپ نے صاف کہہ دیا کہ بھائی! مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔

## ذہانت اور مسائل کا استحضار:

حضرت والد صاحب دینی و اصلاحی کتابوں کے ساتھ مسائل اور کتبِ تفسیر کا بھی کثرت سے مطالعہ فرماتے تھے، گلستاں سعدی، پند نامہ، کریما، مثنوی مولانا روم، قدوری، نور الایضاح، بہشتی زیور، فتاوی رحیمیہ، تفسیر بیان القرآن اور تفسیر معارف القرآن اکثر آپ کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔ آپ کو اللہ تعالی نے بلا کا ذہن اور قوی حافظہ عطا فرمایا تھا، آپ جو کچھ ایک بار پڑھ لیتے وہ آپ کو یاد ہو جاتا تھا، اور اس کا استحضار کا بھی خوب رہتا تھا، متعدد بار ایسا ہوتا کہ کسی مسئلے کے سلسلے میں ہمیں کتاب اٹھانا پڑتی تھی، اور حضرت والد صاحب بلا کتاب دیکھے بتا دیتے کہ یہ مسئلہ اس طرح ہے اور فلاں کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

(۱) تقریباً دو سال پہلے آپ بندے کے پاس جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت میں تشریف لائے، بندے کے اصرار پر رات کو رک گئے، جب عشاء کی نماز پڑھ کر باہر تشریف لائے تو بندے سے فرمایا کہ بھائی! یہاں مسجد کی سامنے والی دیوار کی کھڑکیوں میں جو آئینے لگے ہوئے ہیں، رات کو اُن میں نماز پڑھتے ہوئے اپنی تصویر نظر آتی ہے، جو نماز کے اندر مکروہ ہے، ابھی آپ یہ بات فرما ہی رہے تھے کہ اندر سے مولانا محمد عاقل صاحب بھی تشریف لے آئے، تو ملاقات کرنے کے بعد والد صاحب نے اُن کو بھی

اس طرف متوجہ کیا، اول وہلہ میں مجھے بھی اس سلسلے میں تر دد ہوا اور مولانا عاقل صاحب کو بھی تر دد ہوا؛ لیکن بعد میں میری نظر ''فتاوی محمودیہ'' میں اس مسئلے پر پڑی، تو اس میں بھی ویسے ہی لکھا ہوا تھا جیسے والد صاحب فرما رہے تھے، میں نے مولانا عاقل صاحب کو فتاوی محمودیہ کا حوالہ بتایا تو انھوں نے کچھ دنوں کے بعد اُن کھڑکیوں پر پردے ڈلوا دیئے تا کہ نماز کے اندر کوئی کراہت نہ آئے۔

مدرسہ میں متعدد علماء اور مفتیانِ کرام موجود ہیں اور روزانہ مدرسہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں؛ مگر کسی کی نظر اس طرف نہیں گئی، اور حضرت والد صاحب نے پہلی بار یہاں نماز پڑھی اور فوراً اُن کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا، یہ نہایت ذہانت اور اعلی درجہ کے استحضار کی دلیل ہے۔

ذیل میں ''فتاوی محمودیہ'' سے مذکورہ بالا مسئلہ درج کیا جاتا ہے:

سوال: ایک مسجد سہارنپور میں متصل چوکی پولیس واقع ہے، مسجد کے اندر گنبد کے نیچے غربی، جنوبی اور شمالی دیوار پر ایسے شیشے کے بیل بوٹے تیار کرائے گئے ہیں جس میں چہرہ اور عکس نظر آتا ہے جو کہ مثل شیش محل ہو گیا ہے، اس صورت میں مسجد کے اندر نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا و مصلیًا:

ایسی مسجد میں نماز جائز ہے، نمازی کو چاہیۓ کہ نظر نیچی رکھے تا کہ خشوع حاصل ہو اور دھیان نہ ہٹنے پائے، ورنہ اگر اس طرف توجہ کی اور خشوع نہ رہا، تو نماز مکروہ ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ ۶/ ۶۷۷، ط: کراچی)

سوال: مسجد میں ڈیکولم کے بنے ہوئے دروازے لگے ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے نمازیوں کے اپنے عکس اس میں پڑتے ہیں، جیسے سامنے آئینہ ہو، تو کیا اس سے نماز میں کوئی حرج ہوتا ہے اور یہ مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا و مصلیًا:

نہایت غلط صورتِ حال ہے، اس سے حفاظت کی کوئی تدبیر اختیار کی جائے،

گذشتہ نمازوں کا اعادہ نہیں۔

(فتاوی محمودیہ ۶/ ۶۷۷-۶۷۸، ط: کراچی)

حضرت والد صاحب کا ذہن اصولی تھا، اصول کی روشنی میں وہ بہت سے مسائل کا عمدہ حل نکال لیا کرتے تھے اور کتابوں کی مراجعت کرنے کے بعد فقہاء کی عبارات اور تصریحات سے اُن کی تائید وتصدیق ہوتی تھی۔

(۲) اسی طرح کا ایک واقعہ اور پیش آیا، حضرت والد صاحب نے گاؤں کی بڑی مسجد میں عصر کی نماز پڑھائی، اور نماز پڑھانے کے بعد داہنی طرف گھومنے کے بجائے، بائیں طرف گھوم کر بیٹھ گئے، ایک مقامی عالم نے (جو اس وقت وہاں موجود تھے) اس پر اعتراض کیا، تو والد صاحب نے فرمایا کہ دائیں اور بائیں دونوں طرف گھومنا درست ہے، حضرت جلال آبادی قدس سرہ کے ''ملفوظات'' میں یہ مسئلہ موجود ہے، بندہ اُس وقت جلال آباد پڑھتا تھا، اور اس دن گاؤں میں آیا ہوا تھا، حضرت والد صاحب کے اشارہ کرنے پر بندہ حضرت جلال آبادی کے ''ملفوظات'' اٹھا کر لایا تو اُس میں مسئلہ اسی طرح موجود تھا جس طرح والد صاحب فرمارہے تھے، یہ دیکھ کر اُن مقامی عالم صاحب کو خاموشی کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

یہ کوئی استنباطی اور مجتہد فیہ مسئلہ نہیں؛ بلکہ احادیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے، چناں چہ ایک حدیث میں حضرت قبیصہ بن ہلب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

"كان رسول الله ﷺ يؤمّنا، فينصرفُ على جانبيه جميعًا: على يمينه و على شماله" [جامع ترمذی، حدیث ۳۰۱]

''رسول اللہ ﷺ ہماری امامت کرتے تھے، پس آپ (سلام پھیرنے کے بعد) دونوں ہی جانب گھوم کر بیٹھتے تھے: (کبھی) دائیں جانب اور (کبھی) بائیں جانب۔'' امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا یہ معمول نقل

کرتے ہیں:

" إن كانت حاجته عن يمينه أخذ عن يمينه، و إن كانت حاجته عن يساره أخذ عن يساره " [جامع ترمذی ۱/۳۹۰، ط: بیروت]

''رسول اللہ ﷺ کو اگر دائیں جانب حاجت ہوتی تو آپ دائیں جانب پھرتے، اور اگر بائیں جانب حاجت ہوتی تو اسی جانب کو اختیار فرماتے۔''

بلکہ ایک روایت میں تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دائیں جانب پھرنے کو لازم اور ضروری سمجھنے کو ''نماز میں شیطان کا حصہ'' قرار دیا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں:

" لا يجعل أحدكم للشيطان شيئا من صلاته، يرى أن حقا عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت النبي ﷺ كثيرا ينصرف عن يساره" [بخاری حدیث ۸۵۲، مسلم حدیث ۷۰۷]

''تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا کوئی حصہ نہ رکھے، اس طرح کہ وہ (سلام پھیرنے کے بعد) دائیں جانب پھرنے کو ہی اپنے لیے لازم سمجھے، میں نے نبی کریم ﷺ کو بکثرت بائیں جانب پھرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

یہ تمام احادیث صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز کے بعد دائیں جانب پھرنا ہی ضروری نہیں؛ بلکہ آپ ﷺ سے دونوں جانب پھرنا ثابت ہے، دائیں جانب بھی اور بائیں جانب بھی؛ لہٰذا جدھر ضرورت ہو، اسی جانب کو اختیار کرنا چاہیے؛ اگر کوئی آدمی دائیں جانب پھرنے ہی کو لازم اور ضروری سمجھے، تو یہ شیطانی عمل ہے، اس سے احتراز ضروری ہے۔

(۳) بندے کے چھوٹے بھائی حافظ محمد امجد صاحب نانوتہ کے پاس گاؤں پٹھان پورہ میں امامت کرتے تھے، انہوں نے رمضان میں ختم قرآن کی تقریب میں دعاء کے لیے حضرت والد صاحب کو مدعو کیا، حافظ امجد کہتے ہیں کہ میں نے آخری دن

کے لیے آخر کی بیس سورتیں چھوڑ رکھی تھیں، لیکن تراویح شروع کرنے سے پہلے میرے سامنے یہ پریشانی آئی کہ ہر رکعت میں ایک ایک سورت پڑھنے کے ساتھ، سورہ علق کے آخر میں سجدۂ تلاوت کیسے کیا جائے، میں نے حضرت والد صاحب کے سامنے اس کا ذکر کیا، تو انہوں فرمایا کہ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنے سے بھی سجدۂ تلاوت اداء ہو جاتا ہے، حافظ امجد کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، لیکن جب میں نے سلام پھیرا، نماز میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے شاگرد اور عیدگاہ نانوتہ کے امام حضرت مولانا عبدالمجید صاحب پٹھان پوری بھی موجود تھے (حضرت کی عمر اُس وقت نوے سال سے متجاوز تھی، کمزور بھی کافی ہو گئے تھے، بڑی مشکل سے مسجد میں آتے تھے، اور منکر پر نکیر کا خاص ذوق رکھتے تھے)، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب نے مجھے فوراً ٹوکا کہ آپ نے سجدۂ تلاوت چھوڑ دیا، تو والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت کتبِ فقہ میں یہ مسئلہ بھی تو لکھا ہوا ہے کہ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرنے سے بھی سجدۂ تلاوت اداء ہو جاتا ہے، مولانا عبدالمجید صاحب تھوڑی دیر سوچ کر بولے کہ ہاں آپ صحیح کہتے ہیں، یہ مسئلہ تو ہے۔

فائدے کے لیے یہاں پورا مسئلہ لکھا جاتا ہے:

”وتؤدى بركوع صلاة إذا كان الركوع على الفور من قراءة آية أو آيتين، وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر إن نواه أي كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح . وتؤدى بسجودها كذلك أي على الفور وإن لم ينو بالإجماع . ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه .“ (درمختار مع حاشیہ ابن عابدین ۲/۱۱۲، ط: دارالفکر بیروت)

”سجدۂ تلاوت نماز کے رکوع سے بھی اداء ہو جاتا ہے جب کہ ایک، دو یا تین آیت پڑھنے کے فوراً بعد رکوع کیا جائے، بشرطیکہ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرے راجح قول یہی ہے۔ اور اسی طرح ایک، دو یا تین آیت کے فوراً بعد سجدہ کرنے سے بھی بالاجماع سجدۂ تلاوت اداء ہو جاتا ہے اگر چہ سجدہ میں اس کی نیت بھی نہ کی ہو۔ اور اگر

امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کی اور مقتدی نے نہیں کی، تو وہ (مقتدی کے لیے) کافی نہیں ہوگا۔"

اس واقعہ سے حضرت والد صاحب کے استحضار کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حافظ محمد امجد صاحب کہتے ہیں کہ صبح کے وقت والد صاحب مولانا عبد المجید صاحب کے پاس ملاقات کے ارادے سے گئے، کچھ دیر دونوں حضرات کے درمیان علمی واصلاحی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد جب بھی میں مولانا عبدالمجید صاحب کے پاس جاتا تھا تو وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"آپ کے والد صاحب پکے تھانوی ہیں"۔

یہ ایک بڑے آدمی کی نہایت اہم اور بڑی شہادت ہے کہ حضرت والد صاحب تقوی وطہارت، معاملات کی صفائی، حق گوئی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے طریقے پر گامزن تھے۔

## تواضع اور خدمتِ خلق:

تواضع، عاجزی اور انکساری آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ کی چال ڈھال، بول چال، رفتار وگفتار، لباس واطوار: ہر اداء سے تواضع وانکساری ٹپکتی تھی۔ آج ہماری صورتِ حال یہ ہے کہ جو تھوڑا بہت پڑھ لیتا ہے وہ کھیت کا کام کرنا اپنی شان اور وقار کے خلاف سمجھتا ہے، کھیت سے جانوروں کے لیے چارہ کاٹ کر سر پر رکھ کر لانا اپنے لیے ایک طرح کی توہین تصور کرتا ہے؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ نہ صرف یہ کہ اپنا کھیت کا تمام کام خود کرتے تھے، بلکہ اگر کسی بے سہارا کو دیکھتے تو بے تکلف اس کی بھی مدد اور تعاون کرتے تھے، حتی کہ بسا اوقات ایسے لوگوں کے سر سے گھاس کا گھٹہ لے کر اپنے سر پر رکھ لیتے اور اُن کے گھر تک پہنچا دیتے۔

گاؤں کی ایک بیوہ خاتون نے خود بندے سے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ جب

میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، لڑکے اس وقت چھوٹے تھے، کھیت سے گھاس مجھے خود لانا پڑتا تھا، مولوی صاحب جب کبھی میرے سر پر گھاس کی گٹھری دیکھتے، تو جلدی سے آکر میرے سر سے لے کر اپنے سر پر رکھ لیتے اور بے تکلف ہمارے گھر پہنچا آتے، اور فرماتے کہ اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھئے، ہم تمہارے ساتھ ہیں، جب بھی کوئی ضرورت ہو، بے تکلف بتادیں، ہم اُسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

جب بندہ نے اپنی نئی تالیف ''درس کافیہ'' میں انتساب میں آپ کا اسم گرامی بایں عنوان شامل کیا:

**''والد محترم حضرت مولانا خلیل احمد مفتاحی مدظلہ کے نام جو بندے کے مشفق باپ ہی نہیں؛ بلکہ محسن ترین استاذ اور مربی بھی ہیں، اور ان کی مسلسل محنت اور آہِ سحرگاہی کی برکت ہی سے بندہ کسی لائق ہوسکا ہے۔''**

تو حضرت والد صاحب نے جب اس عبارت کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور پھر ایک موقع پر فرمایا کہ میرے متعلق جو کلمات اس نے (بندہ کی طرف اشارہ تھا) لکھے ہیں، میں ہرگز اپنے آپ کو ان کا اہل نہیں سمجھتا۔ یہ حضرت والد صاحب کی تواضع تھی، ورنہ تو حقیقت یہ ہے کہ اوپر کی سطور میں ذرہ بھر بھی مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے؛ بلکہ جو حقیقت اور واقعہ ہے نہایت سادہ الفاظ میں اسی کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

## چھوٹے بڑوں کی خدمت:

حضرت والد صاحب صرف اپنے بڑوں ہی کی خدمت نہیں کرتے تھے؛ بلکہ آپ اپنے چھوٹوں کی خدمت سے بھی گریز نہیں فرماتے تھے، بندے نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا، جب جمعرات کو بندہ مدرسہ سے گھر آتا تھا، خود چائے بنا کر پلاتے، اور نماز کا وقت آتا، تو خود ہی پانی گرم کرتے، اور بسا اوقات منع کرتے کرتے لوٹے میں پانی بھر کر بھی

رکھ دیتے، ایسے موقع پر بڑی ندامت ہوتی، عرض بھی کرتا کہ حضرت یہ کام تو ہمارے کرنے کے ہیں، ہم آپ کی اولاد، شاگرد اور ہر اعتبار سے چھوٹے ہیں، ہمیں آپ کی خدمت کرنی چاہئے؛ لیکن آپ ہمیں اس کا موقع کیا دیتے، خود ہمارے لیے یہ تکلیف اٹھاتے ہیں؛ مگر آپ یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟

آپ کی وفات کا حادثہ بھی اسی خدمتِ اصاغر کے جذبہ پر عمل کرنے کے باعث رونما ہوا، بندے کے منجھلے بھائی حافظ محمد اسلم امام مسجد کھیڑی متصل کیرانہ، جمعرات کو گھر آئے ہوئے تھے، ان کو نماز فجر کے بعد موبائل چارج کرنے کی ضرورت پیش آئی، اپنے کمرہ میں موبائل کا چارجر لگایا؛ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہاں چارجر نہ چلا، تو وہ حضرت والد صاحب کے کمرہ میں موبائل لگانے کے ارادے سے آئے، حضرت والد صاحب حسب معمول سورہ یس کی تلاوت میں مصروف تھے، آپ نے ان سے موبائل لے کر چارجر لگایا، موبائل نیچے رکھ ہی رہے تھے، کہ اچانک چارجر کی ڈوری سے کرنٹ لگا اور سورہ یس پڑھتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے۔

## بیماروں کی عیادت:

جب کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے، خواہ وہ عزیز وقریب ہو یا کوئی عام مسلمان، اس کی عیادت، مزاج پرسی اور خبر گیری اسلامی حق اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

> ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار کی عیادت کرنا (۳) جنازہ کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا۔'' (بخاری حدیث ۱۲۴۰، مسلم حدیث ۲۱۶۲)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

> ''جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اور پھر ثواب حاصل کرنے کے ارادے سے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرے، اسے جہنم سے ستر برس کی مسافت کے برابر

جہنم سے دور رکھا جائے گا۔" (سنن ابوداود، حدیث ۳۰۹۷)

اور ایک حدیث میں ہے:

"جو مسلمان دوسرے مسلمان کی صبح کو عیادت کرتا ہے، ستر ہزار فرشتے اس کے لیے شام تک رحمت و مغفرت کی دعاء کرتے رہتے ہیں، اور جو مسلمان دوسرے مسلمان کی شام کو عیادت کرتا ہے، ستر ہزار فرشتے اس کے لیے صبح تک رحمت و مغفرت کی دعاء کرتے رہتے ہیں، اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ مختص کر دیا جاتا ہے۔" (جامع ترمذی حدیث ۹۶۹، سنن ابوداود، حدیث ۳۰۹۸)

آپ اس اسلامی حق اور سنت نبویہ پر پورے طور پر عمل کرتے تھے، جب آپ کو کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ بیمار ہے، خواہ اپنے خاندان کا ہوتا یا دوسرے خاندان کا، اپنے محلّہ کا ہوتا یا کسی دوسرے محلّہ کا، وقت نکال کر اُن کے گھر جاتے اور عیادت کر کے سنتِ نبوی پر عمل کرتے تھے۔

## میراث میں لڑکیوں کا حصہ:

جب کوئی عزیز دنیا سے چلا جاتا ہے، تو اُس کا متروکہ مال میراث کے شرعی اصول کے مطابق تقسیم کرنے کا عموماً اہتمام نہیں کیا جاتا، اپنی مرضی اور منشا کے مطابق تقسیم کر لیا جاتا ہے، لڑکیوں کو شادیوں میں جہیز میں بہت کچھ دینے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں اپنی مالی استطاعت کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا، حتیٰ کہ اس کے لیے قرض لینے کی ضرورت پڑے، اس سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا، بلکہ بعض لوگ تو (العیاذ باللہ) سود پر قرض لے کر جہیز کا انتظام کرتے ہیں؛ لیکن شریعت نے میراث میں لڑکوں کی طرح لڑکیوں کا بھی حصہ رکھا ہے؛ مگر عام طور سے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی، مرنے والا جو کچھ جائیداد اور مال و دولت چھوڑ کر جاتا ہے، اُس کو مرد ورثاء آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، اور لڑکیوں کو محروم رکھا جاتا ہے۔

حضرت والد صاحب اس پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ چاہے جہیز دو یا نہ دو؛

کیوں کہ جہیز دینا فرض یا واجب نہیں؛ مگر لڑکیوں کا میراث میں جو حصہ بیٹھتا ہے، وہ انہیں ضرور دو؛ اس لیے کہ میراث میں لڑکیوں کا حصہ دینا فرض ہے۔

ایک خط میں اپنے شیخ حضرت مسیح الامت مولانا جلال آبادی قدس سرہ کو لکھتے ہیں:

''ہم سات بھائی ہیں اور دو بہنیں ہیں، والدین وفات کر چکے ہیں، ترکۂ وراثت میں شرعاً آٹھ حصے قرض چکا کر ہونے چاہیے تھے، جن میں ایک حصہ نصفا نصف دونوں بہنوں کو ملنا چاہیے تھا اور ایک ایک حصہ ساتوں بھائیوں کو؛ مگر ایسا نہیں ہوا۔

احقر نے گھر میں جو جگہ ہے اس میں سے تو آٹھواں حصہ لیا ہے اور سامان زمین کے علاوہ جو تھا اس میں سے کچھ نہیں لیا، بہت ہی کم کوئی چیز لی ہے؛ لیکن کھیت میں جو کاشت کی زمین ہے وہ ملک کے رواج کے مطابق ساتوں بھائیوں کے نام آ گئی ہے اور سب بھائیوں نے تقسیم بھی کر لی ہے، بہنوں کو نہیں دی گئی۔ بندے کو اس کی بہت فکر رہتی ہے کہ یہ حق العباد بندے کے ذمہ ہے، کئی بار سوچا کہ سب بھائیوں کو اکٹھا کر کے ان کا (بہنوں کا) حصہ ان کے سپرد کرنے کا مشورہ کیا جائے۔''

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہماری ایک پھوپھی کا تو شادی سے قبل ہی انتقال ہو گیا تھا، دوسری حیات تھیں، حضرت نے ان کو بلوایا، اور اُن سے فرمایا کہ میرے دوسرے بھائی تو اپنا معاملہ خود جانیں؛ لیکن میرے پاس والد صاحب کی جائیداد میں جتنی زمین آئی ہے، اُس میں تمہارا شرعاً اتنا حصہ بیٹھتا ہے، اگر تم چاہو تو زمین لے لو، اور اگر چاہو تو اُس کی قیمت لے لو، ہماری پھوپی صاحبہ نے لینے سے انکار کر دیا، حضرت والد صاحب نے اصرار کیا کہ یہ تمہارا حق ہے، تم اسے لے لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز اس کی وجہ سے میری پکڑ نہ ہو جائے؛ لیکن جب کسی بھی طرح پھوپی صاحبہ تیار نہ ہوئی، تو والد صاحب نے فرمایا کہ اگر تم نہیں لیتی تو پھر اپنا حق معاف کر دو، تا کہ آخرت کے مواخذہ سے بچ جاؤں، تو پھوپی صاحبہ نے کہا کہ بھائی! میں نے تمہیں بھی معاف کر دیا اور دیگر

بھائیوں کی زمین میں میرا جتنا حصہ بیٹھتا ہے، میں نے وہ بھی معاف کر دیا۔

۲۴؍اپریل ۱۹۹۹ء سنیچر کی رات میں ہماری والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا، اُن کے انتقال کے بعد آپ نے اُن کے زیورات اور دیگر سامان کو شرعی اصول کے مطابق تقسیم کیا، اور اُس میں جتنا حصہ ہمارے نانا اور نانی کا بیٹھتا تھا، وہ اُن کے پاس بھجوایا، اور جتنا حصہ ہمارا بیٹھتا تھا وہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔

یہ تھا حضرت والد صاحب کا شرعی احکام پر عمل، آپ کی پوری زندگی شریعت کی روشنی میں گذری، کبھی کوئی کام خلافِ شرع نہیں فرماتے تھے، آپ کے طرزِ عمل سے ایسا لگتا تھا کہ گویا شریعت آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی۔

## دینی کتابوں کا احترام:

حضرت والد صاحب دینی کتابوں اور تمام آلاتِ علم: درسگاہ، قلم، دوات، تپائی اور کاغذ وغیرہ کا بہت ادب و احترام فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی طالبِ علم قلم دوسرے کی طرف پھینکتا، یا تپائی کے اوپر سے کودتا، یا کتاب کے اوپر قلم دوات یا کوئی اور چیز رکھ دیتا، یا آلاتِ علم کی اس طرح کی کوئی اور بے احترامی کرتا، تو حضرت والد صاحب کو جلال آجایا کرتا تھا اور اس پر سخت تنبیہ کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ جب تم آلاتِ علم ہی کا احترام نہیں کرو گے تو تمہیں علم کیسے آئے گا، علم تو ادب و احترام سے آتا ہے۔

## تصویر پر نکیر:

آج کے دور میں ہر چیز پر جاندار کی تصویر آنے لگی ہے، جب کہ بلا ضرورت جاندار کی تصویر لینا یا رکھنا شرعاً جائز نہیں، حضرت والد صاحب کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ اگر کسی چیز پر جاندار کی تصویر دیکھتے، تو فوراً اُسے مٹانے یا کم از کم اُس کے سر اور چہرے کو کاٹنے کا التزام فرماتے، اور فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

”جس گھر میں جاندار کی تصویر ہوتی ہے، اُس میں رحمت کے فرشتے داخل

نہیں ہوتے۔" [بخاری حدیث ۳۲۲۵، مسلم حدیث ۲۱۰۶]

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے کسی چیز پر جاندار کی تصویر دیکھی ہو، اور اُسے نہ مٹایا ہو۔

## سَر یا چہرے پر مارنے سے احتیاط:

جب طلبہ یا اولاد غلطی کرتی ہے، تو تادیب کی خاطر مارنے میں عام طور پر اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی کہ بدن کے کس حصہ پر مارنا چاہئے اور کس حصہ پر نہیں مارنا چاہئے، جو بھی بدن کا حصہ سامنے آتا ہے اسی پر ماردیا جاتا ہے، حتی کہ سر اور چہرے پر مارنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا، حضرت والد صاحب اس کے بہت خلاف تھے، وہ خود بھی گردن سے اوپر کسی حصہ پر مارنے سے پوری احتیاط کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں چہرہ پر مارنے کی ممانعت آئی ہے۔ [دیکھئے: بخاری، حدیث ۲۵۵۹، مسلم، حدیث ۲۶۱۲، سنن ابوداؤ، حدیث ۴۴۹۳]

## جھوٹ بولنے پر نکیر:

حضرت والد صاحبؒ جھوٹ بولنے پر شدید نکیر فرمایا کرتے تھے، جھوٹ اور خلافِ واقعہ بات کہنے کے سلسلے میں عام طور پر لوگ بہت بے احتیاطی کرتے ہیں، ذرا ذرا سی باتوں پر بلا ضرورت جھوٹ بولنا ایک عام سی بات بن گئی ہے، بالخصوص جب سے موبائل فون آیا ہے جھوٹ بولنے کا گراف بہت زیادہ بڑھ گیا ہے، اس کا قطعاً احساس نہیں رہا کہ جھوٹ بولنا حرام اور بڑا گناہ ہے۔ حضرت والد صاحب اس پر سخت روک ٹوک فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے، اُن سے فون پر کسی نے معلوم کیا کہ آپ کتنی دیر میں پہنچیں گے، انہوں نے کہا کہ دس منٹ میں پہنچ جاؤں گا، جب وہ بات کرکے فارغ ہوگئے، والد صاحب نے اُن سے معلوم کیا کہ فون کہاں سے تھا، انہوں نے کسی گاؤں کا نام لیا، والد صاحب نے فرمایا آپ وہاں دس منٹ میں تو نہیں پہنچ سکتے، یہ تو آپ نے جھوٹ بول دیا جو حرام اور

نہاست سنگین گناہ ہے، اُن صاحب نے تاویل کرتے ہوئے کہا کہ میرا مقصد اس جھوٹ سے صرف اتنا ہے کہ اُن کو اطمینان ہو جائے، اور اس طرح کے مقصد سے جھوٹ بولنے کی گنجائش ہے، حضرت والد صاحب نے اُن سے فرمایا: اس سے اُن کو اطمینان کہاں ہوگا، جب آپ دس منٹ میں نہیں پہنچ پائیں گے وہ اور زیادہ پریشان ہو جائیں گے کہ معلوم نہیں اب تک کیوں نہیں پہنچے، کہیں راستے میں کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا، آپ کی یہ تاویل صحیح نہیں، اس طرح جھوٹ بولنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، اس سے احتیاط ضروری ہے۔

## معاملات کی صفائی:

حضرت والد صاحبؒ کو معاملات کی صفائی کا بے حد اہتمام تھا۔ بددیانتی سے کسی کا حق غصب کر لینا تو گناہ عظیم ہے ہی، حسابات و معاملات کو مجمل، مبہم یا مشتبہ رکھنا بھی بہت خطرناک غلطی ہے جس کا نتیجہ بعض اوقات بددیانتی ہی کی شکل میں نکلتا ہے۔ بعض لوگوں کی نیت بددیانتی کی نہیں ہوتی؛ لیکن معاملات کے گڈمڈ ہونے کی وجہ سے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر باپ، بیٹوں بہن بھائیوں، استاد و شاگرد، شیخ و مرید اور بے تکلف تعلقات میں اس قسم کی صورتیں بکثرت پیش آتی ہیں، مثلاً باپ بیٹوں نے مل جل کر ایک مکان بنوالیا اور حساب کچھ نہ رکھا کہ کس نے کتنی رقم خرچ کی ہے، اور یہ بات واضح نہ کی کہ مکان کس کی ملکیت ہوگا اور اس طرح معاملات کو مبہم رکھ کر مکان میں رہتے بستے رہے، شروع میں تو بظاہر اس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی؛ لیکن آگے چل کر جب مکان کی تقسیم یا وراثت کا سوال آتا ہے تو آپس میں شدید جھگڑے اٹھتے ہیں اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچتی ہے۔

حضرت والد صاحبؒ کا معمول ہمیشہ یہ رہا کہ معاملہ بیٹے سے ہو یا بھائی سے، دوست سے ہو یا رشتہ دار سے، شاگرد سے ہو یا کسی متعلق سے ہمیشہ واضح، غیر مشتبہ اور عموماً تحریری شکل میں فرماتے تھے، اور آخر تک کی بات پہلے ہی طے فرما لیتے تھے۔ حد یہ

ہے کہ اگر اپنے بیٹوں سے کوئی لین دین ہوتا، تو اس کی حیثیت بھی عام طور پر لکھ کر متعین فرما دیتے تھے۔

آپ اپنے روپے پیسے کے حسابات ہر وقت بالکل مکمل اور تازہ ترین صورت کے مطابق رکھتے تھے، آپ کی الماری میں امانتیں بھی ہوتی تھیں اور ذاتی رقوم بھی، ہر مد بالکل واضح اور اس پر لکھی ہوئی ہدایات اشتباہ سے پاک ہوتی تھیں۔

آپ کی وفات کے بعد الماری میں رقوم اور مختلف قسم کے کاغذات برآمد ہوئے؛ لیکن اتنے واضح کہ ہم لوگوں کو انہیں حق دار تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

## طرزِ معیشت:

حضرت والد صاحب کا طرزِ معیشت ہمیشہ انتہائی سادہ رہا، طرزِ بود و ماند میں ہمیشہ تواضع، سادگی اور مسکنت کی جھلک نمایاں رہی، آمدنی کے لحاظ سے آپ پر مختلف قسم کے دور گذرے؛ لیکن اتار چڑھاؤ کے مختلف زمانوں میں آپ کا طرزِ معیشت یکساں رہا، نہ عسرت کے زمانے میں کبھی بخل سے کام لیا، نہ فراخی کے دور میں کبھی اسراف اور فضول خرچی کو شیوہ بنایا، البتہ آمد و خرچ ہمیشہ انتظام کے ساتھ فرماتے۔

ماہانہ اخراجات کا تحریری حساب رکھتے، وہ کاپیاں اب تک محفوظ ہیں جن میں آپ نے چھوٹے چھوٹے اخراجات بھی لکھ کر رکھے ہوئے ہیں، آپ کا نظریہ یہ تھا کہ تھوڑی آمدنی میں کام چلانے کے لیے بخل کی نہیں، انتظام اور قناعت کی ضرورت ہے، اگر انسان اپنی آمدنی کو انتظام کے ساتھ خرچ کرے، تو تھوڑی رقم میں بھی کام چل جاتا ہے اور بد نظمی کرے تو خزانۂ قارون بھی ناکافی ہو جاتا ہے۔

لوگ معاشی تنگی دور کرنے کے لیے آمدنی بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں، حالاں کہ آمدنی کا بڑھنا اختیاری عمل ہے اور اخراجات کم کرنا اور قناعت اختیار کرنا اختیاری چیز ہے، جو کام اپنے اختیار میں ہے اُسے پہلے کرنا چاہئے، یعنی اخراجات کم کیے جائیں

اور قناعت اختیار کی جائے، جتنی آمدنی جائز ذرائع سے بس میں ہو، اخراجات کا معیار اُسی کے مطابق رکھا جائے۔ حضرت والد صاحب کا ساری عمر اسی اصول پر عمل رہا، جتنی آمدنی ہوتی اتنا ہی خرچ فرماتے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آمدنی سے زیادہ خرچ کیا ہو۔ جب جدی مکان تنگ پڑ گیا اور نیا پختہ مکان بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو قرض لے کر پورا مکان ایک ساتھ بنانے کے بجائے، جیسے جیسے انتظام ہوتا گیا اپنی آمدنی کے حساب سے ایک ایک کمرہ بناتے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کو قرض لینے کی نوبت بہت کم آئی، یہاں تک جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے اُس وقت آپ کے ذمہ کسی کا کوئی قرض نہیں تھا۔

بزرگوں کے حوالے سے سنا ہے کہ ''اللہ والے دنیا کے تمام کاروبار عام انسانوں کی طرح انجام دیتے ہیں؛ لیکن دنیا کی محبت اُن کے دل میں نہیں ہوتی''، اس جملے کی عملی تفسیر ہم نے اپنے والد ماجدؒ کی زندگی میں دیکھی۔ کسبِ معاش کے لیے آپ نے دودھ کی تجارت بھی کی، مقامی مسجد اور مدرسہ میں امام اور مدرس بھی رہے اور زراعت تو آخر عمر تک فرماتے رہے۔

دودھ کی تجارت کے سلسلے میں عام طور سے (العیاذ باللہ) یہ مشہور ہے کہ اس کام میں جھوٹ، ملاوٹ اور دھوکہ دہی کے بغیر نفع حاصل نہیں ہوتا؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ نے یہ کام ایسی امانت و دیانت، سچائی و پاک بازی اور صفائی و ستھرائی کے ساتھ کیا کہ جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے نفع بھی خوب عطا فرمایا۔

جن حضرات کا دودھ آپ کے یہاں آتا تھا اُن میں مسلم بھی تھے اور غیر مسلم بھی، آپ سب کا حساب بڑی صفائی سے لکھ کر رکھا کرتے تھے، شروع میں کچھ تعلیم یافتہ غیر مسلم حضرات نے اپنے یہاں بھی حساب لکھنے کا اہتمام کیا؛ لیکن جب انھیں اپنے حساب اور آپ کے حساب میں کوئی فرق نظر نہ آیا، تو انہوں نے اپنے یہاں لکھنا چھوڑ دیا۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ آپ لکھیں یا نہ لکھیں، میں تو اپنی

شریعت کے احکام کا پابند ہوں، ہماری شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی کہ کسی کے ساتھ ذرہ برابر بھی دھوکہ کیا جائے، خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا، مسلم ہو یا غیر مسلم۔

حضرت والد صاحب جب ہفتہ یا مہینے میں دودھ کا حساب فرماتے اور کسی کے رپیوں کے ساتھ دس بیس پیسے نکلتے، تو آپ ان کو لکھ لیا کرتے تھے، جب اگلے ہفتے یا مہینے کے حساب میں وہ اور پیسوں کے ساتھ مل کر روپیہ کے برابر ہو جاتے، تو اُن کو واجب الادء رقم میں شامل کر کے اداء کرنے کا اہتمام فرماتے۔ آپ کو اس کا بڑا فکر رہتا تھا کہ کسی کا ایک پیسہ بھی ناحق آپ کی طرف نہ رہ جائے۔

ایک طرف تو دنیا کی بے وقعتی کا آپ کو اس قدر استحضار تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی منفعت کے ہاتھ سے نکل جانے پر کبھی حسرت کرتے آپ کو نہیں پایا گیا۔ لیکن دوسری طرف یہ پہلو کبھی نظر سے اوجھل نہیں ہوا کہ دنیا میں جو چیز جائز اور حلال طریقے سے میسر آ جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا حق یہ ہے کہ اس کی ناقدری نہ کی جائے، چناں چہ آپ اپنی مملوک اشیاء کو حفاظت کے ساتھ رکھتے اور اس بات کی کوشش کرتے کہ کوئی چیز ضائع نہ ہونے پائے؛ بلکہ کسی نہ کسی کے کام آ جائے۔ اگر کوئی چیز کبھی گم ہو جاتی تو اسے تلاش ضرور فرماتے، خواہ وہ ایک پائی ہی کی کیوں نہ ہو۔

## قرض کے سلسلے میں حضرت کا معمول:

قرض کے سلسلے میں احادیث میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد دعاؤں میں جہاں شرک جیسے قابل نفرت اور خطرناک گناہ سے پناہ مانگی وہیں ساتھ ہی قرض سے بھی اللہ کی پناہ مانگی ہے، فتوحات کے نزول سے پہلے ایک طویل زمانہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا کہ جب کسی کا جنازہ آتا اور آپ سے نماز پڑھانے کے لیے کہا جاتا، تو آپ معلوم کرتے کہ اس (میت) کے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ اگر اس کے ذمہ کسی کا قرض ہوتا، اور اس کا ترکہ ادائے قرض

کے لیے نا کافی ہوتا، تو آپ اس کی نماز پڑھانے سے معذرت کر دیا کرتے تھے، تا کہ دوسرے لوگ قرض سے بچیں۔ [دیکھئے: جامع ترمذی، حدیث ۱۰۶۹، ۱۰۷۰]

ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں:

''شہید کے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں سوائے قرض کے (کہ وہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتا)۔'' [صحیح مسلم، حدیث ۱۸۸۶]

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

''مومن کی روح اپنے قرض میں پھنسی رہتی ہے، تا آں کہ اس کا قرض اداء کر دیا جائے۔'' [جامع ترمذی، حدیث ۱۰۷۸، ۱۰۷۹]

یہ تمام احادیث ہر وقت آپ کے سامنے رہتی تھیں، وقتاً فوقتاً اپنی مجالس میں ان کو بیان بھی کرتے رہتے، یہی وجہ تھی کہ آپ حتی الامکان قرض سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، اور جب کبھی سخت مجبوری میں قرض لینے کی ضرورت پیش آئی، تو اس کا خاص خیال فرماتے کہ قرض تھوڑا اور محدود وقت کے لیے لیا جائے، اور جیسے ہی قرض کی ادائیگی کا وقت آتا، تو صاحب حق کے مانگنے اور کہنے سے پہلے ہی خود جا کر اداء فرما دیتے۔

## وقت کی قدر دانی:

حضرت والد صاحبؒ کو وقت کی قدر و قیمت کا بڑا احساس تھا، آپ ہر وقت اپنے آپ کو کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتے تھے اور حتی الامکان کوئی لمحہ فضول نہ جانے دیتے تھے، آپ کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ آپ کے وقت کا کوئی حصہ ضائع چلا جائے، آپ سنت کے مطابق گھر والوں کے ساتھ ضروری، اور بسا اوقات تفریحی گفتگو کے لیے بھی وقت نکالتے تھے؛ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کے دل میں کوئی الارم لگا ہوا ہے جو ایک مخصوص حد تک پہنچنے کے بعد آپ کو کسی اور کام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے، چناں چہ گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کے بعد آپ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے۔

آپ وقت کی وسعت کے لحاظ سے مختلف کاموں کی ایک ترتیب ہمیشہ ذہن میں رکھتے اور جتنا وقت ملتا، اُس کے لحاظ سے وہ کام کر لیتے جو اتنے وقت میں ممکن ہو۔

## کھیت جاتے آتے ہوئے تلاوتِ قرآن اور ذکر کا اہتمام:

آپ کا جدی پیشہ زراعت تھا، جس کے لیے روزانہ کھیت جانا ہوتا تھا، کھیت گاؤں سے کافی فاصلہ پر تھا، آپ کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ کھیت جانے اور آنے کا وقت خالی چلا جائے، چناں چہ گاؤں سے نکلتے ہی راستے میں تلاوتِ قرآن یا نعتِ رسول پڑھنا شروع کر دیتے اور کھیت پہنچنے تک برابر اس میں مشغول رہتے، ایسا ہی کھیت سے واپس آتے ہوئے کرتے، کھیت پہنچ کر کام میں مشغول ہونے کے بعد بھی آپ کی زبان ذکر، تلاوت یا نعت میں مصروف رہتی۔

## پردہ کا حد درجہ اہتمام:

اسلام میں پردہ کی جو اہمیت ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ قرآن و حدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے، ارشادِ باری ہے:

۱- ﴿یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ ! قُلْ لِأَزْوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ﴾ (۳۳/۵۹)

''اے نبی ﷺ فرما دیجئے اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنین کی عورتوں سے کہ جہاں کبھی ضرورت سے باہر نکلنا پڑے تو چادر میں لپٹ کر نکلا کرو، اور چادر کو چہرہ پر لٹکا لیا کرو، تا کہ چہرہ پر کسی کی نظر نہ پڑے۔''

۲- ﴿و قل للمؤمنت یغضضن من أبصارهن، و یحفظن فروجهن، و لا یبدین زینتهن؛ إلا ما ظهر منها، و لیضربن بخمورهن علی جیوبهن، و لا یبدین زینتهن إلا لبعولتهن، أو آبائهن، أو آباء بعولتهن، أو أبنائهن، أو أبناء بعولتهن، أو إخوانهن، أو بنی إخوانهن، أو بنی أخواتهن، أو نسائهن، أو ما

ملکت أیمانھن، أو التابعین غیر أولی الإربة من الرجال ، أو الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء، و لا یضربن بأرجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن، و توبوا إلی الله جمعیا أیھا المؤمنون لعلکم تفلحون ﴾ (س:۲۴/آیت:۳۱)

''اور مؤمن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اُس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ اور کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا ان کے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں، یا ان خدمت گذاروں کے جن دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا، یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے۔ اور مسلمان عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے، وہ معلوم ہو جائے۔ اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔''

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

''سجاوٹ سے مراد جسم کے وہ حصے ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے، یا خوش نما کپڑے پہنے جاتے ہیں؛ لہٰذا اس آیت کریمہ نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کے سامنے اپنا پورا جسم کسی ایسی چادر یا برقع سے چھپائیں جو ان کے سجاوٹ کے مقامات کو چھپا لے۔ البتہ ان مقامات میں سے کوئی حصہ کام کاج کے دوران بے اختیار کھل جائے، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کھولنا پڑے تو اسے یہ کہہ کر مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کہ ''سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔''

(آسان ترجمہ قرآن ۲/۱۰۷۳)

پردہ کے سلسلے میں عام طور سے بہت کوتاہی برتی جاتی ہے، اور اس کوتاہی میں مرو

وعورت دونوں شریک ہیں۔ بہت سے رشتہ دار تو وہ ہیں جنہیں عموماً گھر کا ایک فرد اور بہن بھائی تصور کر کے اُن سے پردہ کرنے کو صرف غیر ضروری ہی نہیں؛ بلکہ عیب سمجھا جاتا ہے، مثلاً: دیور، جیٹھ، بہنوئی، چچا زاد، ماموں زاد، پھوپی زاد، خالہ زاد بھائی، نندوئی، خالو، پھوپا وغیرہ سب غیر محرم ہیں، ان سے پردہ کرنا ضروری ہے؛ مگر عوام کو تو جانے دیجیے، اچھے خاصے پڑھے لکھے اور دین دار گھرانوں میں بھی ان سے پردہ کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح بھابھی، سالی، ممانی، چچی، تائی، سوتیلی ساس وغیرہ مردوں کے لیے غیر محرم عورتیں ہیں؛ مگر ان سے پردہ کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا۔

حضرت والد صاحب خود بھی پردہ کے سلسلے میں بہت محتاط تھے اور دوسروں کو بھی اس کی بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

حضرت والد صاحب نے اپنے گھر میں بڑی کوشش سے شرعی پردہ قائم کیا، چناں چہ یہی وجہ تھی کہ کسی غیر محرم کی بلا اجازت واطلاع گھر میں آنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، کیوں کہ سب جانتے تھے کہ حضرت والد صاحب اس سلسلے میں بڑے سخت ہیں، بستی کے تقریباً تمام لوگ اس بات سے خوب واقف تھے۔ اگر کبھی کوئی بلا اجازت اندر آنے کی جرأت کرتا، وہ رشتہ دار ہوتا یا اجنبی، حضرت والد صاحب کو جلال آجایا کرتا تھا، اور اس کو ایسا ڈانٹتے تھے کہ آئندہ پھر کبھی وہ اس طرح کی حرکت نہیں کرتا تھا۔

بچہ جب تک نابالغ ہوتا ہے، شرعاً اس سے پردہ نہیں ہے؛ لیکن بالغ ہونے کے بعد شرعاً غیر محرم سے پردہ کا حکم ہے۔ عورتیں عموماً اس طرح کے لڑکوں سے پردہ نہیں کرتیں اور یہ عذر پیش کرتیں ہیں کہ یہ کل تک تو ہمارے گھر میں آتا تھا اور ہمیں دیکھتا تھا اب اس سے پردہ کرنے سے کیا فائدہ؟ اس سے پردہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

اسی طرح جب کسی مرد کا انتقال ہو جاتا ہے، تو اُس کو اکثر عورتیں دیکھنے کی کوشش کرتیں ہیں، اس کی پرواہ نہیں کرتیں کہ وہ محرم ہے یا غیر محرم۔

حضرت والد صاحب اس پر بھی بڑی قوت اور شدت سے نکیر فرمایا کرتے تھے۔

کئی ثقہ لوگوں نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ گاؤں میں ایک صاحب کا انتقال ہوگیا جو رشتہ میں حضرت والد صاحب کے چچا لگتے تھے، عورتوں نے اپنی عادت کے مطابق اُن کو دیکھنا چاہا، تو حضرت والد صاحب نے عورتوں کو اس سے منع کیا؛ مگر ایک عورت نہیں مانی، وہ یہ کہتے ہوئے دیکھنے کے لیے آگے بڑھی کہ یہ میرا بھائی ہے، تو حضرت والد صاحب نے مرحوم کے لڑکوں کو بلایا اور اُن سے فرمایا کہ ذرا دیکھ کر بتاؤ کہ یہ تمہاری پھوپی ہیں یا کوئی اور؟ انہوں نے بتایا یہ ہماری حقیقی پھوپھی نہیں ہے، تو حضرت والد صاحب نے اس عورت کو منع کر دیا، اور فرمایا کہ حقیقی بھائی سے تو پردہ نہیں ہے؛ مگر جو دور کے رشتے دار اور خاندانی بھائی ہوتے ہیں اُن سے پردہ ہے۔

## خلافِ شرع رسومات پر نکیر:

ہمارے ملک میں ہندو و مسلم مخلوط آباد ہیں، ایک ہی شہر، قصبہ اور گاؤں میں مسلم و غیر مسلم سب ایک ساتھ رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ہمارے معاشرہ میں بہت سی غیر اسلامی رسوم اور روایات نے جنم لے لیا ہے اور شرعی احکام اور اسلامی طور طریق سے دوری پیدا ہوگئی ہے، بالخصوص شادی بیاہ اور موت وغم کے موقع پر اُن رسومات کی بڑی پابندی کی جاتی ہے، اور اُن کے خلاف کرنے والوں کو بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت والد صاحب اس طرح کی رسومات کے بڑے خلاف تھے، اور ان پر بڑی شدت سے نکیر فرمایا کرتے تھے، اگر نکیر اور روک ٹوک کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوتا، تو ایسے شادی بیاہ میں ہرگز شرکت نہیں فرماتے تھے، خواہ وہ رشتہ دار ہوتے یا غیر رشتہ دار، قریب کے رشتہ دار ہوتے یا دور کے، متعلق ہوتے یا غیر متعلق، اس سلسلے میں کسی کی کوئی رعایت نہیں کرتے تھے۔

## دوسروں کی ایذاءرسانی سے بچنے اہتمام:

حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

" المسلمُ من سَلِم المسلمونَ من لسانِه و يدِه "

[صحیح بخاری، حدیث نمبر۱۰، صحیح مسلم، حدیث نمبر۴۱]

" کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا گیا کہ کونسا مسلمان سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ:" وہ شخص سب سے افضل ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔" [صحیح بخاری، حدیث نمبر۱۱، صحیح مسلم، حدیث نمبر۴۲]

یہاں ہاتھ اور زبان کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ عام طور پر ایذارسانی کے یہی دو ذریعے ہیں، ورنہ یہاں ہر وہ چیز مراد ہے جس سے تکلیف پہنچ سکتی ہے، خواہ وہ ہاتھ ہوں یا زبان، یا کوئی دوسری چیز۔

ان روایات میں امت کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ "مومن اور مسلمان" اس کا نام نہیں ہے کہ کوئی شخص محض کلمہ پڑھ لے اور کچھ متعین اعمال و ارکان ادا کرلے؛ بلکہ اسلامی شریعت اپنے پیروکاروں سے ایک ایسی بھرپور زندگی کا تقاضہ کرتی ہے جس کا حامل ایک طرف عقائد واعمال کے لحاظ سے اللہ تعالی کا حقیقی بندہ کہلانے کا مستحق ہو،تو دوسری طرف وہ انسانیت کے تعلق سے پوری طرح امن وآشتی کا نمونہ اور اور محبت ومروت کا مظہر ہو، امن وامانت، اخلاق ورواداری، ہمدردی وخیر سگالی کا اپنی عملی زندگی میں اس طرح مظاہرہ کرے کہ دنیا کا ہر انسان اس سے خوف زدہ رہنے کے بجائے اس کو اپنا ہمدرد، بہی خواہ اور مشفق سمجھے۔

حضرت والد صاحب کا اس پر پوری طرح عمل تھا، آپ کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی تھی کہ آپ کی ذات، اعضاء و جوارح اور آپ کے کسی بھی عمل سے دوسروں کو کسی بھی طرح کی تکلیف نہ پہنچے، روزمرہ کی گھریلو زندگی میں بھی یہ کوشش رہتی تھی کہ گھر کے کسی بھی چھوٹے یا بڑے فرد کو آپ کی طرف سے کسی بھی اعتبار سے کوئی اذیت نہ پہنچے، دوسروں کی اذیت رسانی سے بچنے کے لیے آپ نے گھر میں یہ اصول بنایا ہوا تھا کہ جو

چیزیں عام استعمال کی ہیں، اور ان کی سب اہل خانہ کو وقتاً فوقتاً ضرورت پیش آتی رہتی ہے، ان کی جگہ متعین کر کے انہیں اسی متعینہ جگہ پر رکھا جائے، پھر جو چیز جہاں سے اٹھائی جائے اسے وہیں رکھنے کا اہتمام کیا جائے؛ کیوں کہ دوسری جگہ رکھنے کی صورت میں، ضرورت پڑنے پر جب وہ چیز اپنی متعینہ جگہ نہیں ملے گی تو اس سے دوسروں کو ایک گونہ پریشانی اور الجھن لاحق ہوگی، اس الجھن اور پریشانی سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کے لیے آپ خود بھی اس اصول پر پوری طرح عمل کرتے تھے اور گھر کے دیگر افراد کو بھی اس پر عمل کرنے کا پابند بناتے تھے۔ حضرت والد صاحب اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ:

''ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی طبیعت خراب تھی، رات کو استنجاء کا تقاضا ہوا، اٹھے، لوٹا اٹھایا اور استنجا خانہ میں تشریف لے گئے، فراغت کے بعد جب واپس ہو رہے تھے، لوٹا ہاتھ میں تھا، نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے گر گئے، اور بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو اٹھ کر چارپائی پر آ کر لیٹ گئے، لیٹنے کے بعد یاد آیا کہ لوٹا تو وہیں پڑا ہوا ہے، اس لیے دوبارہ اٹھے، اور لوٹا اٹھا کر وہیں لا کر رکھا جہاں سے اٹھایا تھا۔''

حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی نے ایسا اس لیے کیا کہ گھر والوں کو جب لوٹے کی ضرورت پڑے گی تو اس کو اس کی جگہ تلاش کریں گے، اور جب وہاں نہیں ملے گا تو انہیں پریشانی ہوگی، اس سے بچنے کے لیے حضرت تھانوی نے بیماری اور کمزوری کی حالت میں یہ تکلیف گوارا فرمائی۔

## مجاہدات:

حضرت والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ ۲۴ / اپریل ۱۹۹۹ء بروز سنیچر کو ہماری والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا، اس وقت حضرت والد صاحب کی عمر ۴۲ برس کی تھی، ہمارے ایک بھائی اس وقت تین سال

کے اور بہن صرف ڈیڑھ سال کی تھی، گھر میں کوئی کھانا بنانے والا نہ تھا، ہفتہ پندرہ دن تایا چچاؤں کے یہاں سے کھانا بن کر آتا رہا؛ آخر خود کھانا بنانے کی نوبت آئی، قربان جایئے حضرت والد صاحب کی بے نفسی اور اولاد پر شفقت کے، کہ کئی سال تک خود کھانا بنا کر ہم بہن بھائیوں کو کھلاتے رہے۔ اولاد کی پرورش اور تربیت کے لیے جتنی پریشانی حضرت والد صاحب نے اٹھائی اور جس قدر مجاہدے کیے، اس کی نظیر اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ اللہ تعالی حضرت والد صاحب کو اس کا بہترین سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام سے نوازے۔ آمین

آپ کی عمر اور گھر کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے بہت سے خیر خواہ حضرات نے دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا؛ مگر حضرت والد صاحب نے اپنے جذبات اور آرام کو پس پشت ڈالتے ہوئے، اولاد کا خیال کیا، اور یہ کہہ کر یہ مشورہ رد فرما دیا کہ:

"کچھ پتہ نہیں دوسری عورت کس مزاج و مذاق کی ہوگی، ممکن ہے بچوں کو پریشان کردے؛ اس لیے دوسری شادی نہیں کرسکتا۔"

میں اس وقت مفتاح العلوم جلال آباد میں پڑھتا تھا، میرا عربی چہارم کا سال تھا، عمر تقریباً ۱۸ سال کے قریب تھی، اگر والد صاحب چاہتے تو گھریلو پریشانی کے پیش نظر میری شادی کرسکتے تھے؛ لیکن - اللہ تعالی حضرت والد صاحب کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے - حضرت والد صاحب نے گھریلو پریشانی کو نظر انداز کرکے، میری تعلیم کی بہتری اور عمدگی پر توجہ فرمائی، اور دوسروں کے بار بار کہنے کے باوجود مجھے اُس وقت شادی کے بندھن میں نہیں باندھا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ مجھے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھنے اور تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کا خوب موقع ملا۔ بندے کو جو بھی علم و فکر کی دولت حاصل ہوئی، وہ سب حضرت والد صاحب کی قربانی، محنت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالی حضرت والد صاحب کو اس کی اپنی شایانِ شان جزاء عنایت فرمائے۔

## روزمرہ کے معمولات:

آپ کے شب وروز نہایت منظّم ومرتب نظام کے تحت گذرتے تھے، سردی ہو یا گرمی برسات ہو یا صاف اور کھلا ہوا موسم، ہمیشہ رات کو فجر کی اذان سے تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے اٹھ جاتے، استنجاء، وضو اور مسواک سے فارغ ہو کر نہایت خشوع وخضوع، تضرع و عاجزی اور مکمل سکون واطمینان کے ساتھ تہجد کی نماز اداء فرماتے، نماز کے دوران آپ پر گریہ طاری رہتا، تلاوت کرتے رہتے اور خوفِ خدا سے روتے رہتے، اس کے بعد پوری توجہ وانابت اور گریہ وزاری کے ساتھ دعاء ومناجات میں مشغول ہو جاتے اور دیر تک دعاء فرماتے رہتے دعاء کے بعد اپنے شیخ حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ صاحب جلال آبادی قدس سرہ کی تعلیم وہدایت کے مطابق ذکر جہری: ذکر نفی واثبات، ذکر اسم ذات اور ذکر پاس انفاس کرتے، اذان فجر کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ اکتالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھتے، پھر فجر کی دوسنتیں اداء کرنے کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے اور باجماعت نماز اداء فرمانے کے بعد، مسجد سے آتے ہوئے ''سورہ یس'' پڑھتے، گھر آنے کے بعد قرآن کریم کی تلاوت فرماتے، تلاوت کے بعد ''مناجاتِ مقبول'' کی ایک منزل اور اسمائے حسنٰی پڑھتے، اس کے بعد ناشتہ فرماتے، ناشتہ آپ کا بہت مختصر ہوتا، عموماً دوتین فنجان چائے پر اکتفاء فرماتے، پھر مطالعہ میں مشغول ہو جاتے، گلستاں سعدی، پند نامہ، کریما، مثنوی مولانا روم، قدوری، نور الایضاح، بہشتی زیور، فتاوی رحیمیہ، بیان القرآن، معارف القرآن اور حضرت تھانوی اور حضرت جلال آبادی کی اصلاحی کتابیں اکثر آپ کے مطالعہ میں رہتی تھیں۔

پھر درس وتدریس میں مشغول ہو جاتے، سبق سے فارغ ہونے کے بعد گھریلو کام انجام دیتے، پھر کھیت چلے جاتے، ایک مقررہ وقت تک کھیت میں کام کرنے کے بعد گھر تشریف لا کر کھانا کھاتے، پھر ظہر تک قیلولہ فرماتے۔

ظہر کی نماز کا وقت ہونے پر بیدار ہو جاتے، استنجاء اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد مسجد جا کر باجماعت نمازِ ظہر اداء فرماتے۔

ہر نماز کے بعد پابندی سے سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، "شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ☆ وأنا على ذلك لمن الشاهدين يا ربّی . "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ، وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ☆ تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ، وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ، وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ☆ پڑھتے۔ پھر تین مرتبہ چاروں قل اور آیۃ الکرسی پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے پورے بدن پر ہاتھ پھیرتے۔

اس کے علاوہ عصر کے بعد سورہ "النبأ"، مغرب کے بعد اوابین کی چھ رکعتیں اور درود شریف، عشاء کے بعد سورہ "ملک"، سورہ "یٰس"، سورہ "فاتحہ"، چاروں قل، سورہ بقرہ کی شروع کی تین آیتیں "یُوْقِنُوْنَ" تک پڑھتے، پھر آیۃ الکرسی پڑھ کر تین مرتبہ الٹے ہاتھ سے تالی مارتے، پھر "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ........ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ" تک اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ سے آخر سورۃ تک پڑھتے۔

پھر آرام کرنے کے لیے بستر پر تشریف لے جاتے اور اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ تین مرتبہ، دوسرا کلمہ اور یہ دعاء پڑھتے: اللهم باسمک أموت وأحییٰ، پھر سنت کے مطابق دائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے۔

## مبشرات ومنامات:

۱- حضرت والد صاحب اپنا یہ واقعہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ جب میں نے راہِ

سلوک میں قدم رکھا، تو اُس وقت میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، میں نے اپنے مرشد حضرت جلال آبادیؒ کو خط لکھا اور اس میں اپنے اس خواب کا بھی تذکرہ کیا، تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ: ''مبارک ہو، تمھیں نسبتِ موسوی حاصل ہوگی۔'' والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خلافِ شرع اور خلافِ طبع امور کو دیکھ کر، مجھے جو بے اختیاری غصہ اور جلال آتا ہے، یہ اسی نسبتِ موسوی کا اثر ہے۔

۲- برادرم حافظ محمد جنید سلمہ نے بیان کیا کہ ابھی چند مہینے پہلے حضرت والد صاحب نے ایک خواب دیکھا تھا، جو آپ نے مجھ سے بیان کیا، فرمایا کہ میں عشاء کے بعد آرام کرنے کے لیے لیٹا، ابھی پورے طور پر نیند نہیں آئی تھی، نیند اور بیداری کے درمیان کی کیفیت تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور آپ کے ہمراہ ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ جلال آبادی قدس سرہ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے بیٹھ گئے اور حضرت جلال آبادی دائیں طرف بیٹھ گئے، میں نے آپ علیہ السلام سے معلوم کیا کہ: یارسول اللہ کیا آپ قیامت کے دن میری سفارش کریں گے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ارے! تمہاری تو میں سب سے پہلے سفارش کروں گا۔''

۳- جس دن حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا، اُسی دن فجر کے بعد مولانا شرافت صاحب بالوی (جو حضرت والد صاحب کے شاگرد بھی ہیں) نے خواب دیکھا کہ ایک خوب صورت صاف ستھرا کمرہ ہے، اور اُس میں ایک چار خانوں والی الماری رکھی ہوئی ہے جو کتابوں سے بھری ہوئی ہے، تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ اُس کمرے میں چاروں طرف گرد بیٹھا ہوا ہے اور وہ الماری وہاں سے غائب ہے، اور وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے، وہ کہتے ہیں میں نے اُس آدمی سے معلوم کیا کہ وہ الماری کہاں چلی گئی؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ الماری یہاں سے دوسری جگہ منتقل کردی گئی، میں نے کہا کہ آپ نے ہمیں بتایا بھی نہیں، وہ بولا کہ ہم نے سوچا کہ بعد میں بتادیں گے۔

مولانا موصوف کہتے ہیں کہ بیدار ہوتے ہی اس خواب کی یہ تعبیر ذہن میں آئی کہ

کوئی علمی نقصان ہونے والا ہے، پھر جب میرے پاس فون سے یہ اطلاع آئی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں، تو فوراً ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ وہ علمی نقصان حضرت کی وفات ہے، جس سے گاؤں کیا پورے علاقہ سے گویا علم اٹھ گیا اور ایک بڑا علمی خلا پیدا ہو گیا۔

۴- حضرت والد صاحبؒ خود بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں اپنے حضرت مولانا جلال آبادی رحمہ اللہ کو دیکھا، حضرت نے فرمایا کہ مجھے ٹانگوں میں کچھ درد محسوس ہو رہا ہے، میں نے اجازت لے کر دبانا شروع کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ ''ارے تمہارے دبانے سے تو ساری تکلیف جاتی رہی۔''

حضرت والد صاحبؒ یہ خواب سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ اس خواب کی تعبیر میرے ذہن میں یہ آئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری ذات سے دوسروں کو دینی نفع حاصل ہوگا۔

جن حضرات کو حضرت والد صاحبؒ کی زیارت اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملا ہے وہ اس کی پوری تصدیق کریں گے کہ آپ کی ذات سے لوگوں کو خوب دینی نفع پہنچا، کتنے ہی ڈاڑھی منڈانے والے، غیر اسلامی لباس پہننے والے، نماز روزہ اور اسلامی تعلیمات سے غافل، معاملات کی صفائی، آدابِ معاشرت اور اسلامی اخلاق سے دور حضرات نے آپ کی مجلس میں بیٹھنے کی برکت سے گناہوں سے توبہ کی اور اپنی زندگی شریعت کے احکام کے موافق گذارنے لگے۔ بندے نے خوب دیکھا کہ جو شخص بھی آپ کی مجالس میں آنے لگا، اس پر دینی رنگ چڑھتا چلا گیا۔

## خوارق و کرامات:

۱- ہمارے مکان کے برابر میں ہمارے خاندانی تایا رہتے ہیں، ایک مرتبہ اُن کے لڑکے جہالت اور دینی شعور نہ ہونے کی وجہ سے، ایک ''بڑا ٹیپ ریکارڈ'' لے آئے،

اور اُس میں گانے سننے لگے، حضرت والد صاحب نے منع کیا؛ مگر وہ نہ مانے، آخر میں والد صاحب نے فرمایا کہ بھائی! اگر تمہیں گانے ہی سننے ہیں اور تمہارے یہاں شرعی حکم کوئی اہمیت نہیں رکھتا، تو اس کی آواز ہلکی کرلو، تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کی وجہ سے پریشانی نہ ہو، اور وہ گناہ سے بچ سکیں، لیکن اس پر بھی وہ اپنے اس عملِ بد سے باز نہ آئے، تھوڑی دیر کے بعد اُن کا ''ٹیپ ریکارڈ'' خود بند ہوگیا، انہوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح چل جائے، مگر نہ چلا، اگلے روز وہ اسے گنگوہ مستری کے یہاں لے گئے، مستری نے اسے چلایا، وہ فوراً چل گیا، مستری نے اسے چیک کرنے کے بعد کہا کہ یہ بالکل ٹھیک ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، وہ اسے پورے راستے چلاتے ہوئے لائے؛ لیکن جیسے ہی گھر کے پاس پہنچے، وہ پھر بند ہوگیا، اور صورتِ حال یہ ہوگئی کہ گھر سے باہر جاکر بجتا تھا، اور گھر کے قریب آتے ہی بند ہوجاتا تھا۔

۲- جس زمانہ میں حضرت والد صاحبؒ گاؤں کی بڑی مسجد میں امامت وتدریس کے فرائض انجام دیتے تھے، اس وقت کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ جمعرات کو مغرب بعد حضرت والد صاحبؒ مائک پر نعت پڑھ رہے تھے، ایک سانپ آیا اور حضرت والد صاحبؒ کے پیچھے اپنا پھن اٹھا کر بیٹھ گیا، جب تک حضرت والد صاحبؒ نعت پڑھتے رہے وہ بیٹھا نعت سنتا رہا، یہاں تک کہ ایک صاحب کمرہ میں داخل ہوئے انہوں نے سانپ کو دیکھ کر حضرت والد صاحبؒ کو مطلع کیا کہ آپ کے پیچھے سانپ بیٹھا ہے، جب آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا، تو وہ سانپ چپکے سے واپس چلا گیا۔ سانپ ایک زہریلا ضرر رساں جانور ہے، جیسے ہی موقع پاتا ہے انسان کو ڈس لیتا ہے؛ لیکن یہ حضرت والد صاحبؒ کی کرامت تھی کہ اُس نے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

## توکل علی اللہ:

حضرت والد صاحب کو اللہ تعالی نے تقوی و پرہیز گاری کے ساتھ، توکل کا حظ

وافر عطا فرمایا تھا، آپ کو کوئی بھی کام کرنا ہوتا، خواہ چھوٹا کام ہوتا یا بڑا، آپ اس کے ممکنہ اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے کام شروع فرمادیتے، آپ کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ ہر کام میں آپ اللہ کی قدرت کاملہ پر نظر رکھتے تھے، اسباب کو صرف اس لیے اختیار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، اور اپنے بندوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنی مبارک زندگی میں اسباب کو اختیار کرکے اپنی امت کو یہی پیغام دیا ہے کہ توکل صرف اس کا نام نہیں کہ بالکلیہ اسباب کو چھوڑ کر ہاتھ پر رکھ کر بیٹھ جائے؛ بلکہ توکل یہ ہے کہ ممکنہ اسباب کو اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا جائے، اور کام کی تکمیل وعدم تکمیل اور اس کے مفید وغیر مفید ہونے کو اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔

## بیماری کے زمانے میں حضرت کی حالت:

بیماری کے زمانہ میں آپ کی ہر ممکن کوشش ہوتی کہ اپنے روزمرہ کے معمولات کو بدستور جاری رکھا جائے، جب تک ہمت رہتی اپنے تمام معمولات پورے کرتے اور مسجد میں جاکر جماعت سے نماز اداء فرماتے، بیماری کے زمانے میں دواء اور علاج معالجہ کو بھی اختیار کرتے؛ مگر ساتھ ہی بار بار یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

"بیماری کی دواء کرنا سنت ہے، اس لیے دواء لیتا ہوں۔"

بیماری ہلکی ہوتی یا شدید، اپنی اولاد یا کسی اور سے خدمت نہ لیتے، بیماری کے زمانہ میں بھی اپنا کام خود کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

## دنیا سے جانے کا اشارہ اور آپ کی وصیت:

آپ کی وفات سے تقریباً آٹھ نو ماہ پہلے بندہ حضرت والد صاحب کے پاس گھر گیا، تو فرمایا کہ:

''جنید نے میرے متعلق ایک خواب دیکھا ہے کہ میں برآمدہ میں لیٹا ہوا ہوں، اور میرے حضرت جلال آبادی بھی تشریف فرما ہیں، حضرت ایک سفید رومال میرے سر پر ڈالنے لگے، جنید نے وہ رومال لینا چاہا، تو حضرت نے اس کی طرف سے کھینچ کر فرمایا کہ یہ تمہارے لیے نہیں؛ بلکہ اِن (حضرت والد صاحب) کے لیے ہے۔''

یہ خواب سنانے کے بعد، آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ:

''اس خواب کی تعبیر مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ میرے انتقال کا وقت قریب آگیا ہے، میں نے جنید سے بھی کہہ دیا ہے اور تم سے بھی کہہ رہا ہوں: میرے انتقال کے بعد، میری وفات کی تشہیر مت کرنا اور کسی عورت کو میرے جنازے پر ہرگز نہ آنے دینا۔''

بندے نے عرض کیا کہ اس خواب کی تعبیر یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ حضرت جلال آبادی کی طرف سے آپ کو اب بھی فیض پہنچ رہا ہے اور یہ رومال ایک طرح سے اس فیض کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے، تو فرمایا کہ:

''ہاں! یہ بھی ایک تعبیر ہو سکتی ہے؛ مگر ایک تعبیر وہ بھی ہے جو میں نے بیان کی۔''

اس خواب کے بعد آپ برابر متفکر رہتے تھے، اس سے پہلے بھی یکسو تھے؛ مگر اس خواب کے بعد لوگوں سے ملنا جلنا اور کم کر دیا تھا، اور زیادہ وقت ذکر و اذکار اور یادِ خدا میں گذارتے تھے۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ جو تعبیر حضرت والد صاحب نے بیان فرمائی تھی، وہی تعبیر صحیح اور حق تھی، اور اس خواب کے ذریعہ آپ کے دنیا سے رخصت ہو کر اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت میں جانے کی طرف غیبی اشارہ کیا گیا تھا۔

## حادثۂ وفات:

حضرت والد صاحب اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:

''یا اللہ! مجھے کسی کا محتاج نہ بنائیے، ہمیشہ اپنا ہی محتاج بنا کر رکھئے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب کی یہ دعا قبول فرمائی، اور اس طرح اپنے پاس بلایا کہ آپ کو کسی کی خدمت کی ضرورت پیش آئی اور نہ علاج معالجہ کی نوبت آسکی، آپ کی وفات بڑے ہی قابل رشک انداز سے ہوئی۔

۳/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۴/جنوری ۲۰۱۵ء بروز سینچر کو فجر کی نماز با جماعت پڑھ کر معمول کے مطابق ''سورہ یس'' پڑھتے ہوئے گھر آئے، ''سورہ یس'' پڑھتے ہی پڑھتے تقریباً ساڑھے سات بجے بھائی اسلم کا موبائل چارجنگ پر لگا رہے تھے کہ اچانک کرنٹ لگا اور لمحہ بھر میں ''سورہ یس'' پڑھتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے، نہ کوئی نماز قضا ہوئی، اور نہ کوئی دوسرا فریضہ ترک ہوا۔ إنّا للّٰهِ و إنّا إليه راجعونَ ، فإن لله ما أخذ و له ما أعطى ، و كل شيء عنده بأجل مسمى ، و إنا بفراقك يا أبانا لمحزونون .

بندہ اس وقت جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت میں تھا، بھائی اسلم نے فون کے ذریعہ اطلاع کی، فوراً مع اہل خانہ گاؤں میں پہنچا، آپ کا آخری دیدار کیا، یہ دیکھ کر ہر ایک کو بڑا تعجب ہوا کہ تدفین کے وقت تک آپ کا جسم انتہائی نرم رہا جیسے ایک زندہ آدمی کا ہوتا ہے، آنکھیں بند کر دیتے بند ہو جاتی، کھول دیتے کھل جاتی، آپ کا جنازہ چارپائی پر رکھا ہوا تھا، بھائی حافظ محمد امجد نے آپ کا چہرہ قبلہ کی جانب کیا، بڑی آسانی سے رخ قبلہ کی طرف ہو گیا، پھر انہوں نے قبلہ کی جانب سے گھمانا چاہا؛ مگر کوشش کے باوجود نہ گھوما، جب کہ پورا جسم اب بھی نرم ہی تھا، یہ حضرت والد صاحب کے عند اللہ مقبول ہونے کی علامت ہے۔

ظہر کے بعد ۳/بجے جنازہ مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر گاؤں کے آبائی قبرستان میں یہ تقویٰ و پرہیز گاری، صبر وقناعت اور توکل وانابت کا پیکر ہمیشہ کے لیے آسودۂ خواب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، اورہم سب کوآپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطافرمائے۔آمین

## پس ماندگان:

ہماری والدہ صاحبہ کاانتقال تو کافی پہلے ہو چکا تھا،حضرت والد صاحب نے اپنے پسماندگان میں چار بیٹے: بندہ محمد جاوید قاسمی، حافظ محمد امجد، حافظ محمد اسلم،مولوی محمد جنید اورایک بیٹی: جنیدہ خاتون چھوڑی۔ان کے علاوہ آپ کے یہاں تین بچے اورہوئے: محمد اکرم،محمد انیس، رسیلہ خاتون،جن کا نابالغی کی حالت ہی میں انتقال ہوگیا تھا، جو بشارتِ نبوی کے مطابق آپ کے لیےآخرت کا بہترین ذخیرہ ہیں۔

بندہ اس وقت جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت میں مدرس عربی ہے، حافظ محمد امجد موضع چروڑی متصل لونی ضلع غازی آباد میں امام ومدرس ہیں، حافظ محمد اسلم موضع کھیڑی متصل سنہٹی میں ایک مسجد کے امام اورمکتب کے مدرس ہیں اور مولوی محمد جنید جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت میں عربی ششم وہفتم کے طالب علم ہیں۔جنیدہ خاتون کی سال گذشتہ مولانا محمد عباس فاضل جامعہ بدر العلوم گڑھی دولت ساکن بستی اسلام نگر کیرانہ سے شادی ہوچکی ہے۔

## ایک عجیب بات:

پہلے کہیں لکھا جاچکا ہے کہ حضرت والد صاحب کی ہرممکن یہ کوشش رہتی تھی کہ قرض نہ لینا پڑے، اوراگر کبھی شدید ضرورت کے موقع پرقرض لینے کی نوبت آجاتی تو اس کی ادائیگی میں جس قدر جلدی ہوسکتی تھی اسے اختیار فرماتے تھے، جب آپ کی وفات ہوئی تو میں نے آپ کے حسابات کا رجسٹر اٹھا کر دیکھا،اس میں صرف گاؤں کے ایک ڈاکٹر کے دس روپئے لکھے ہوئے تھے،اس کے علاوہ کسی کا کوئی قرض اس میں لکھا ہوانہیں ملا، لوگوں سے معلوم کیا گیا،تو کوئی ایسا آدمی ہمارے علم میں نہیں آیا جس کا آپ کے ذمہ

کوئی قرض ہو۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے وہ دس روپئے دینا چاہے؛ مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔

آپ کی وفات کے تقریباً دس گیارہ مہینے کے بعد بندے نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت والد صاحب تشریف فرما ہیں، بندہ بھی وہاں موجود ہے اور ایک صاحب اور بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت والد صاحب نے اُن صاحب سے چودہ سو روپئے مانگے ، میں نے عرض کیا کہ آپ ان سے کیوں مانگ رہے ہیں، اگر آپ کو ضرورت ہے، تو میں دیدیتا ہوں، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

بیدار ہونے کے بعد میں نے ذہن دوڑایا کہ یہ چودہ سو روپیہ مانگنے کا کیا ماجرا ہے؟ ذہن اس طرف گیا کہ ممکن ہے آپ کے ذمہ کسی کا قرض ہو، جس کا ہمیں علم نہ ہو سکا ہو، کافی غور وخوض کرنے کے بعد پتہ چلا کہ بجلی کا کنکشن آپ ہی کے نام ہے، اور آپ کے زمانۂ حیات کے تقریباً چار ماہ کا بل رکا ہوا ہے، جس کی رقم چودہ سو روپئے کے قریب بنتی ہے، میں نے فوراً گاؤں مہنگی جا کر وہ بل اداء کیا۔ اس طرح ایک ایسے قرض کی ادائیگی ممکن ہوگئی جس کی طرف ہمارا ذہن مشکل ہی سے جاتا؛ لیکن ایک خواب کے ذریعہ اللہ تعالی نے ہمیں اس کی طرف متوجہ کر دیا، اور حضرت والد صاحب کو قرض کے وبال سے بچالیا۔ **فللّٰہِ الحمدُ علی ذلکَ**

☆......☆......☆

☆......☆